اصلاحِ معاشرہ

(منگنی، شادی، طلاق وغیرہ کے مسائل)

افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وسرپرست دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل-سملک

ناشر

نورانی مکاتب

تفصیلات

نام کتاب:......................................اصلاحِ معاشرہ

افادات:...................حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

ترتیبِ جدید:............................مفتی عمران تھرادوی

ناشر:.......................................نورانی مکاتب

بہ اہتمام:.......................مفتی محمود صاحب بارڈولی

صفحات:....................................... ۲۳۲

جدید ایڈیشن:..............جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ

ملنے کے پتے

نورانی مکاتب آفس:8140902756

مدرسہ گلشنِ خدیجۃ الکبریٰ، اون، سورت:9898371086..9714814566

دار المکاتب کاپودرا:9824289750..9712005458

مولانا صدیق احمد ابن مفتی محمود صاحب حافظ جی، مدرسہ فاطمۃ الزہراء، دیسائی نگر، مریم مسجد،

بارڈولی، سورت، گجرات۔8140238304

ادارۂ صدیق ڈابھیل:9904886188 / 9913319190

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
	پیش لفظ (از: مفتی محمود صاحب بارڈولی)	۹
	نظر اور شرم گاہ	
۱	نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق اسلامی تعلیم	۱۵
۲	غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ رہنے والے لڑکوں کا علاج اصلاحِ معاشرہ ہی ہے	۲۰
۳	محرم مرد کا عورت کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا	۲۳
۴	اجنبیہ کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا	۲۴
۵	اجنبیہ کے ساتھ زندگی گزارنا	۲۵
	رشتہ اور منگنی کے متعلق مسائل	
۶	رشتہ (منگنی) کرنا ثابت ہے؟	۲۶
۷	شریکِ حیات کا انتخاب	۲۶
۸	غیر برادری میں رشتے کے متعلق ایک جوان لڑکی کی الجھن	۳۳
۹	پیغام کون دے؟	۳۹
۱۰	بیرون میں منگنی کا انتظار کرنا	۴۰
۱۱	دین داری دیکھ کر انکار کرنا	۴۲
۱۲	لڑکا و لڑکی کی رضامندی کے بغیر رشتہ طے کرنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟	۴۴
۱۳	منگنی میں لین دین	۴۴

۱۴	منگنی کے وقت کسی عالم سے دعا کرانا	۴۹
۱۵	منگنی کے بعد لڑکے، لڑکی کا باہمی سلوک	۴۹
۱۶	منسوبہ لڑکی سے خط وکتابت	۵۲
۱۷	بغیر نکاح کے لڑکی کو سسرال نہیں بھیج سکتے	۵۳
۱۸	ماموں، خالہ، پھوپھی کی اولاد سے نکاح معیوب سمجھنا	۵۴
	لَو میرج اور اس سے متعلق مسائل	
۱۹	لَو سے نکاح	۵۹
۲۰	چھپے طور پر کیے ہوئے نکاحِ فاسد کا حکم	۶۸
۲۱	کیا عورت چھپے طریقے سے نکاح کرسکتی ہے؟	۷۰
۲۲	غیر کفو میں نکاح	۷۲
۲۳	کتابیہ سے نکاح	۷۳
۲۴	مسلم لڑکا والدین کی ناراضگی کے باوجود غیر مسلم لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے؟	۷۴
۲۵	مصنوعی نکاح	۷۵
	نکاح سے پہلے اور نکاح کے وقت پیش آنے والے مسائل	
۲۶	کیا گود لیے ہوئے بچے کو دودھ پلانے سے بچہ عورت کا محرم بن جائے گا؟	۷۷
۲۷	نکاح لڑکے کے گھر ہو یا لڑکی کے گھر؟	۷۸
۲۸	دوسرے سماج میں نکاح کے لیے لڑکے، لڑکی کو (N.O.C) دینے کا حکم	۷۸
۲۹	محرم کے طور پر والد یا ماموں کے ساتھ جانے میں ویزا کی مشکلی ہو تو کیا کرے؟	۸۰
۳۰	ایک دوسرے کی بہن سے آپسی نکاح	۸۱

۳۱	نکاح کرنا ضروری ہو؛ مگر والد صاحب نکاح کروانے کے لیے تیار نہ ہوتو؟	۸۱
۳۲	کچھ پلا دیا ہے ایسا کہہ سکتے ہیں؟ ایسی حالت میں نکاح کا شرعی حکم؟	۸۳
۳۳	نکاح میں ولی کو وکیل اور محرم کو گواہ بنایا جائے	۸۵
۳۴	نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہوں کے متعلق اصرار کرنا کیسا ہے؟	۸۸
۳۵	عقدِ نکاح میں عاقد کے علاوہ دو گواہ ہونا شرط ہے	۸۹
۳۶	نکاح کے وقت لے پالک کی نسبت کس کی طرف کی جائے؟	۹۰
۳۷	نکاح خوانی کے بعد مسجد میں باتیں کرنے، کھانے وغیرہ سے متعلق احکام	۹۱
	مہر سے متعلق مسائل	
۳۸	کم سے کم مہر	۹۲
۳۹	مہرِ فاطمی مقرر کرنے سے متعلق	۹۲
۴۰	نکاح میں مہرِ فاطمی پر اصرار کرنا	۹۳
۴۱	مہر کی مقدار کتنی ہے؟	۹۵
۴۲	کمیٹی کا مقدارِ مہر مقرر کرنا	۹۶
	شادی میں ہونے والی رسومات اور برائیاں	
۴۳	مسلمان عورتوں کا بیوٹی پارلر میں جا کر اپنے آپ کو سنوارنا	۱۰۳
۴۴	شادی میں سہرا باندھنا	۱۱۶
۴۵	مرد کے لیے مہندی لگانا	۱۱۶
۴۶	پیٹھی لگانا	۱۱۷
۴۷	دولہے کو اونٹ پر بٹھانے کی رسم	۱۱۷

۴۸	بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور کٹار دینا	۱۱۷
۴۹	شادی کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنا	۱۱۸
۵۰	خلافِ شرع شادی میں علمائے کرام کی شرکت	۱۱۸
۵۱	ڈھول باجے والی شادی میں شریک ہونا	۱۱۹
۵۲	دروازہ بند کرنے کی رسم	۱۱۹
۵۳	اجتماعی نکاح کے خرافات	۱۲۰
۵۴	مجلسِ نکاح کے لیے بہترین جگہ کونسی؟	۱۲۱
	شادی کے بعد کی پہلی رات	
۵۵	ضروری بات	۱۲۲
۵۶	دلہن کے کمرے کو سنوارنا	۱۲۳
۵۷	رات میں دولہا، دلہن کے مخصوص کمرہ میں دوستوں کا جھانکنا	۱۲۳
۵۸	شبِ اول کی کارگزاری سننا، سنانا	۱۲۴
۵۹	شبِ زفاف میں سب سے پہلے کیا سلوک کرنا چاہیے؟	۱۲۵
	دعوت سے متعلق	
۶۰	شادی سے پہلے دعوت کا حکم	۱۳۱
۶۱	نکاح کی دعوت دینا جائز ہے؟	۱۳۱
۶۲	خلوتِ صحیحہ کے بعد ولیمہ	۱۳۲
۶۳	شادی کے موقع سے ہندو بھائیوں کو ہندو رسوئی کھلانے کا حکم	۱۳۲
۶۴	شادی میں روپیہ لینے دینے کی رسم (نیوتہ)	۱۳۴
۶۵	بن بلائے دعوت میں شرکت	۱۳۴

نکاح کے بعد پیش آنے والی مسائل		
۶۶	منکوحہ کے نام کے ساتھ کس کا نام لکھا جائے؟	۱۳۷
۶۷	لڑکی کی رخصتی کا مطالبہ کون کرسکتا ہے؟	۱۳۹
۶۸	خسر کو باپ کہنا؟	۱۴۰
۶۹	شوہر سعودیہ میں ہو اور اس کی بیوی ہندوستان میں اجنبی مرد کے ساتھ رات گزارے تو کیا حکم ہے؟	۱۴۳
۷۰	بیوی پر بدگمانی کرنا شیطانی فعل ہے	۱۴۸
۷۱	میاں بیوی میں نبھاؤ مشکل ہو تو خلع کرلینا چاہیے	۱۵۰
۷۲	خفیہ نکاح کے بعد علی الاعلان دوسرا نکاح	۱۵۳
پردے سے متعلق		
۷۳	عصرِ حاضر کے فیشنی برقعے	۱۵۴
۷۴	برقعہ پہننے کا شرعی حکم	۱۵۸
۷۵	برقعہ پہننا ضروری ہے چاہے شوہر ناراض ہو؟	۱۶۰
نکاح کے بعد پیش آنے والے معاشرتی مسائل		
۷۶	نکاح کے بعد پیش آنے والے معاشرتی مسائل	۱۶۲
۷۷	بیرون رہنے والے کا انڈیا میں رہنے والی بیوی کو والدین کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا	۱۷۹
۷۸	والدین کی رضامندی کے خلاف شادی کرنے والے کے ساتھ والدین کا برتاؤ	۱۸۰
۷۹	لڑکے بہو کی غیبت کرنے والے والد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا	۱۸۱

۸۰	شوہر کو ظالم غلام سمجھنے والی عورت کا حکم	۱۸۱
۸۱	بداطوار بیوی کی اصلاح کا عمدہ طریقہ	۱۸۴
۸۲	میاں بیوی کے خاص حقوق	۱۹۵
۸۳	داماد ساس کے لیے محرم ہے یا نہیں؟	۱۹۹
	دوسری شادی	
۸۴	دو بیویوں کی اولاد کے بیچ ناانصافی کرنے والا کیسا ہے؟	۲۰۰
۸۵	نکاحِ بیوگان شریعت سے ثابت ہے؟	۲۰۲
۸۶	مطلقہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی فضیلت	۲۰۴
۸۷	طلاق شدہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا کیسا ہے؟	۲۰۵
۸۸	دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی سے اجازت	۲۰۵
۸۹	ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی	۲۰۶
۹۰	دوسرا نکاح کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا	۲۰۶
۹۱	دوسرا نکاح کرنے پر ڈھائے جانے والے ظلم کے متعلق چند خصوصی سوالات۔	۲۰۸
۹۲	شادی شدہ عورت پہلے شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟	۲۲۴
	متفرقات	
۹۳	ضبطِ تولید کا حکم۔ نرودھ (کنڈوم) کا استعمال کرنا کیسا ہے؟	۲۲۵
۹۴	اولاد حاصل کرنے کے لیے شوہر کی منی رحم دانی میں رکھنا کیسا ہے؟	۲۲۶
۹۵	لڑکی کے عوض پیسہ لینا۔ بیوی کا دودھ پی لیا تو کیا حکم ہے؟	۲۲۷
۹۵	نام رکھنے سے متعلق خصوصی احکام	۲۲۸
۹۷	ویل ویٹ کے کپڑے پہننا جائز ہے؟	۲۳۲

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد المرسلين ، سيدنا محمد و اٰله و أصحابه أجمعين ، أما بعد !

اسلامی معاشرے کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ① حیا و شرم ② سادگی۔

پاکیزہ معاشرے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے، آج ہمارا معاشرہ برے رواجوں سے بھرا پڑا ہے، فضول خرچیوں نے ہماری تقریبات کو گناہوں سے بھر دیا ہے، ہر ہر تقریب انسان کے لیے قرض کے پہاڑ تلے دب جانے کا ذریعہ بن رہی ہے، غلط طریقے اپنانے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت دور ہوتی ہے، زندگی رنج وغم سے بھر جاتی ہے، آج ہماری شادیاں ایسے ایسے برے کاموں سے پٹ چکی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد دور ہوگئی ہے، اور زندگی میں جب پریشانیاں آتی ہیں تب ہم اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ: ’’جادو کر دیا ہے، جنات ہیں، کسی نے کرا دیا ہے، پلا دیا ہے‘‘۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی تقریبات سنت کے مطابق انجام دیں تو ان شاء اللہ! رحمت وسکون اور فرحت وانبساط والی زندگی نصیب ہوگی؛ لہٰذا فضول خرچی سے بچ کر غربا کی مدد کریں۔

زیرِ نظر کتاب معاشرے میں پنپنے والی برائیوں سے متعلق ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ کئی سال پہلے چند سوالات قائم کر کے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے ان کے جوابات حاصل کیے گئے تھے۔

یہ سوال وجواب اصلاً گجراتی زبان میں تھے، اور گجراتی سے اردو ترجمہ نگاری کا فریضہ مفتی طاہر صاحب سورتی اور مفتی شمعون صاحب احمد آباد زید مجدہما نے انجام دیا، فجزاهم الله خير الجزاء في الدارين.

یہ فتاویٰ رسائل کی شکل میں سالہا سال سے ہزاروں کی تعداد میں ''منگنی اور شادی کے متعلق پیش آنے والے مسائل کا حل'' کے نام سے شائع ہوتے رہے، بعض رسائل کا انگریزی میں بھی ترجمہ شائع ہوا، بعد میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مطبوعہ فتاویٰ اردو و گجراتی کی متعدد جلدیں منصۂ شہود پر آتی رہیں تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس موضوع سے متعلق دیگر فتاویٰ شامل کر کے مجموعے کی افادیت بڑھادی جائے؛ لہٰذا ترتیبِ جدید میں حضرت مدظلہم کے فتاویٰ سے انتخاب کر کے مناسب اضافے کیے گئے ہیں، جسے اب ''اصلاحِ معاشرہ'' (منگی، شادی، طلاق، وغیرہ کے مسائل) کے نام سے شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑھ کر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا وخوشنودی حاصل ہونے کا ذریعہ بنائے، آمین۔

نوجوانوں کے لیے ایک یادرکھنے کی بات

اکثر نوں جوان کسی کے ساتھ معاشقہ کے تعلقات جوڑتے ہیں تو اسے برا کام نہیں سمجھتے؛ حالاں کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ معاشقہ کے تعلقات قائم کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اکثر چار باتیں سوچ کر انسان گناہ کرتا ہے:

① گناہ کرتے وقت انسان سوچتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، یہ بات بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو ہر جگہ اور ہر حالت میں دیکھ رہا ہے۔

② انسان سمجھتا ہے کہ میرے گناہ کی کسی کو خبر نہیں، میں فون پر بات کروں، لَو لیٹر لکھوں، یا اشارہ کروں تو کسی کو خبر نہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ دل کے راز بھی جانتا ہے۔

اور اللہ کے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہ کر اس کی ایک ایک بات لکھتے ہیں۔

③انسان کے دل میں ہوتا ہے کہ کسی دریا کے کنارے ہوٹل کے کمرے میں یا کسی کلب میں یا گھومنے پھرنے کی کسی جگہ جب میں کوئی گناہ کرتا ہوں تب کوئی تیسرا ہمارے ساتھ نہیں ہوتا؛ حالاں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

④انسان گناہ کرتے وقت سوچتا ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کو ہر انسان پر مکمل قدرت ہے اور وہ جب چاہے تب انسان کو پکڑ سکتا ہے۔

یاد رکھیے! ہر انسان کے تمام کاموں پر اللہ تعالیٰ نے چار گواہ رکھے ہیں، اور یہ چاروں گواہ انسان کے ہر ہر کام کی قیامت کے دن گواہی دیں گے:

①اعمال نامے؛ یعنی وہ دفاتر جن میں انسان کی زندگی کی ہر ہر بات اور کام درج کیا جاتا ہے، گنہگار قیامت کے دن ان دفاتر کو دیکھ کر گھبرا جائے گا۔

②اللہ کے فرشتے۔

③اعضائے بدنِ انسانی، اللہ تعالیٰ انسان کا منہ بند کر دیں گے اور جسم کا ہر ہر عضو اپنے ذریعے سے کیا ہوا ہر کام اللہ کے سامنے بولنے لگے گا۔

④ جس زمین پر رہ کر گناہ کیا ہے وہ زمین خود گواہ بنے گی۔

بھائیو! اب سوچو! انسان لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر کسی اجنبیہ کو فون کرے یا باتیں کرے یا کوئی اور گناہ کرے تو اللہ کے چار گواہوں سے خود کو کیسے چھپا سکتا ہے؟ دنیا میں اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ پولیس محکمے کے لوگ اس کا فون ٹیپ کر رہے ہیں، جاسوس اس کے پیچھے پڑے ہیں ’’تم کہاں جاتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟‘‘ یہ سب نوٹ کیا

جاتا ہےتو وہ شخص کتنی احتیاط سے زندگی گزارے گا کہ کسی سرکاری جرم میں پھنس نہ جائے؟تو سوچیے!اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑاانتظام ہرایک کے ساتھ ہے، پھروہ کیسےاللہ تعالی کی نافرمانی کرے؟

ایک عبرت آموز واقعہ

ایک نوجوان حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس آیااور کہا کہ:حضرت!گناہ کرتاہوں، گناہ چھوٹتے بھی نہیں اورعذاب کا ڈربھی لگتاہےتوکوئی ایساراستہ بتائیے کہ گناہ بھی کروں اورعذاب بھی نہ ہو۔

اللہ والے بڑے سمجھدار ہوتے ہیں، پیار سے سمجھاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا:ہاں!میں تجھے چندراستے بتاتاہوں۔

وہ نوجوان بہت خوش ہوگیااور سننے کے موڈ میں آگیا۔

پہلاراستہ: حضرت نے فرمایا:ایسی جگہ جاکرگناہ کروجہاں اللہ نہ دیکھتاہو۔

نوجوان کہنےلگا:اللہ تعالیٰ توہرجگہ دیکھتاہے۔

دوسراراستہ: دنیامیں جوروزی روٹی ہےوہ اللہ پیدا کرتے ہیں،اللہ کی روزی کھاناچھوڑدےاوراللہ سے کہہ دے کہ: میں تیری روزی کھاتانہیں اورتیری بات مانتا نہیں۔

وہ نوجوان کہنےلگا:حضرت!کھائےبغیرتومیں زندہ کیسے رہوں گا؟

تیسراراستہ: حضرت نے فرمایا:یہ زمین اورآسمان اللہ کی حکومت ہے،اس کی حکومت میں رہ کراس کی نافرمانی کیسے ہوسکتی ہے؟اگرگناہ کرناہی ہوتواللہ کی زمین اور آسمان چھوڑکرکسی دوسری زمین پرچلاجا۔

وہ نوجوان کہنے لگا: حضرت! یہ تو ممکن نہیں۔

چوتھا راستہ: حضرت نے فرمایا: جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے وقت مانگ لینا کہ میں نے آج تک بہت گناہ کیے ہیں، مجھے توبہ کے لیے کچھ وقت دیجیے۔

وہ کہنے لگا کہ: جب موت کا وقت آجاتا ہے تب موت کے فرشتے کسی کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی آگے پیچھے نہیں ہونے دیتے۔

پانچواں راستہ: جب تجھے قبر میں دفن کر دیا جائے تو سوال جواب کے لیے آنے والے فرشتوں کے لیے اعلان لگا دینا کہ ''بغیر اجازت داخلہ منع ہے''۔

وہ نوجوان کہنے لگا: حضرت! میں فرشتوں کو کیسے روکوں؟

چھٹا راستہ: حضرت فرمانے لگے کہ: بھائی! ایک اور راستہ تجھے بتاتا ہوں، قیامت کے دن تیرے اعمال نامے جب کھلنے لگیں اور فرشتے تجھے گھسیٹ کر جہنم میں لے جانے لگے تو تو جم کر کھڑا ہو جانا اور فرشتوں سے کہہ دینا کہ: میں جہنم میں نہیں جاتا۔

وہ نوجوان کہنے لگا کہ: حضرت! میری کیا حیثیت ہے کہ میں فرشتوں کے سامنے اڑ جاؤں؟

بس! تب حضرت فرمانے لگے کہ: بھائی! جب تیری کوئی حیثیت نہیں تو اتنے بڑے اللہ کی نافرمانی تو کس طرح کرتا ہے؟

وہ نوجوان کہنے لگا کہ: حضرت! میں سچی توبہ کرتا ہوں، آج کے بعد میں کسی قسم کا کوئی گناہ نہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں گا۔

ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گناہوں کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی شروع ہو جاتی ہے، کوئی بھی گناہ کرو تو پریشانی شروع ہو جاتی ہے، دل بے چین ہو جاتا

ہے، رات کی نیند اڑ جاتی ہے، کبھی اولاد کی طرف سے، کبھی بیوی کی طرف سے، نوکر کی طرف سے، کاروبار میں؛ کسی نہ کسی طریقہ سے ڈپریشن اور ٹینشن کی زندگی گزرتی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ: تم جتنے چاہو گناہ کرکے دیکھو، اگر اللہ نے تمھاری زندگی کو جہنم نہ بنادیا تو کہنا؛ یعنی دنیا ہی میں ایسی بے چینی ہونے لگتی ہے جیسی جہنم میں۔

جو لوگ آزاد زندگی گزارتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں، آپ سمجھتے ہیں کہ انھیں خوشیوں والی زندگی نصیب ہے؛ لیکن یہ سب اوپر اوپر کا ہوتا ہے، ان کی بے چین راتیں، دل کی پریشانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ یا تو موت مانگتے ہیں یا موت کی کوشش کرتے ہیں؛ لہذا انسان کو ہمیشہ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا چاہیے، جوانی جیسی انمول نعمت کی قدر کرکے اسے اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنا چاہیے۔

(مفتی) محمود (صاحب) بارڈولی

استاذِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

خادمِ حدیث شریف: جامعہ دارالاحسان بارڈولی

نظر اور شرم گاہ

نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق اسلامی تعلیم

سوال: (الف) آج کے دور میں جہاں لڑکیاں برائے نام کپڑے پہن کر اپنے تن کی نمائش کرتے ہوئے گھومتی ہیں، اس صورت میں اپنی نظر کی حفاظت کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، اپنے آپ کو برائی اور بدنظری سے بچانے کی کیا صورت اور کیا طریقہ و دعا ہے؟

(ب) اس صورتِ حال میں جب شہوانیت حد سے زیادہ پریشان کر رہی ہو تو نفس پرستی، گندی ذہنیت وسوچ اور شہوانیت سے بچنے کی کیا صورت، طریقہ اور دعا ہے؟ اگر ایسی حالت میں مشت زنی کی جائے تو یہ جائز ہے؟

(ج) زنا اور اس سے منسلک دیگر برائیوں سے بچنے کا واحد حل شادی (نکاح) ہے، پر (لیکن) ۲۲-۲۳ رسال کی عمر میں شادی اور دورانِ تعلیم شادی کرنا یہ سب کے بس کی بات نہ ہونے کے ساتھ ساتھ آسان بھی نہیں ہے اور ایسا کرنا خود لڑکے کے لیے بہت سی مصیبتوں کو بلاوا دینے کے مساوی ہے، جیسے تعلیم کو بہ خوبی مکمل کرنا، بیوی کی کفالت کرنا اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنا وغیرہ وغیرہ تو اس صورتِ حال میں بدنظری، مشت زنی، شہوانیت، نفسانیت، زنا اور شیطان اور نفس کے دھوکے سے بچنے کی کیا صورت، طریقہ و دعا ہے؟

(د) آج کے اس ماحول میں اور آنے والے ہر ماحول میں جو اس سے بھی بدتر ہوگا گناہوں سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ اور مندرجۂ بالا تمام برائیوں اور خرابیوں، نیز شیطان اور نفس کے دھوکے سے بچنے کی کیا صورت، دعا اور طریقہ ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف) قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ (النور)

"یغضوا" "غضّ" سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ کم کرنے اور پست کرنے کے ہیں (راغب)۔ نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ ابنِ کثیر اور ابنِ حبان نے یہی تفسیر فرمائی ہے، اس میں غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتاً داخل ہے، اور کسی عورت یا مرد کے سترِ شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضعِ ضرورت جیسے علاج و معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر میں جھانکنا، اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔

"ویحفظوا فروجھم" شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پوری کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں، اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق (شہوت ہوری کرنا) جس سے شہوت پوری ہوجائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں داخل ہیں۔

مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا، باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہوگئے۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا

ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے، ان دونوں کو صراحتاً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا، ان کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً: باتیں سننا، ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

ابنِ کثیر نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: ”کل ما عصی اللہ به فهو کبیر وقد ذکر الطرفین“ یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں؛ لیکن آیت میں ان کے دو طرف ابتدا و انتہا کو ذکر کر دیا گیا۔ ابتدا نظر اٹھا کر دیکھنا اور انتہا زنا ہے۔

طبرانیؒ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر نظر ہے، جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ: اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ: اپنی نظر اس کی طرف سے پھیر لو۔ (ابنِ کثیر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے دوسری گناہ ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پہلی نظر جو بلا ارادہ اچانک پڑ جائے وہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معاف ہے، اور بالقصد پہلی نظر بھی معاف نہیں۔ (معارف القرآن: ٦/ ٣٨٦-٣٨٧)

(ب) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کا اصل طریقہ وہی ہے جو قرآن اور حدیث میں

بتلایا گیا؛ یعنی آدمی اپنی نگاہ کی حفاظت کرے، جب نگاہ کی حفاظت کرے گا تو دل وساوس سے محفوظ رہے گا، اور جب دل محفوظ رہے گا تو شرم گاہ کی بھی حفاظت ہوگی، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ مدد بھی چاہتا رہے۔

اپنے ہاتھ سے منی خارج کرنا حرام اور موجبِ وبال ہے، اور اس پر تعزیر لازم ہے، قرآنِ پاک کی آیت: ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں حضراتِ مفسرین نے اس فعلِ بد (ہاتھ سے منی خارج کرنے) کی حرمت کی تصریح کی ہے؛ لیکن اگر کسی نوجوان پر شہوت کا اتنا غلبہ ہو کہ شدتِ شہوت کی وجہ سے اس کا ذہن اس قدر متوحش ہو کہ کسی طرح اس کو سکون وقرار حاصل نہ ہو، اور اس کے پاس تسکینِ شہوت کا کوئی حلال ذریعہ بھی موجود نہ ہو، ایسی اضطراری حالت میں اگر وہ بہ طورِ علاج اس عمل کے ذریعہ شہوت کی تسکین کرلے تو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے توقع کی جاتی ہے کہ اس پر وبال نہ ہوگا، یہ فقیہ ابو اللیث کا قول ہے۔

درِمختار میں ہے: ”في الجوهرية: الاستمناء حرام وفيه التعزير. (درِمختار)

اس کی شرح میں علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: قوله: الاستمناء حرام أي بالكف إذا كان لاستجلاب الشهوة، أما إذا غلبت الشهوة وليس له زوجة ولا أمة، ففعل ذٰلك لتسكينها فالرجاء أنه لا وبال عليه كما قاله أبو الليث. (شامی، کتاب الحدود) اس کی مثال ایسی ہے کہ رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے؛ لیکن اگر کوئی مظلوم دفعِ ظلم کے خاطر رشوت دینے پر مجبور ہوجائے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس مظلوم پر مواخذہ نہ ہوگا۔ (ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹/ ۱۶۵)

لیکن یاد رہے کہ استمنا بالید کا جب ایک مرتبہ تجربہ کرلیا تو پھر یہ عادت اس کا

پیچھا نہیں چھوڑتی اور اس کے نتیجہ میں ایسا آدمی شہوتِ کاذبہ کا شکار ہو کر ہمیشہ اس شنیع حرکت کا ارتکاب کر کے اپنی دنیا و عاقبت برباد کر لیتا ہے، اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ اس دروازے کو کھولا نہ جائے۔

(ج، د) دورِ حاضر کی جدید تہذیب نے انسانی ضرورتوں کا دائرہ اتنا پھیلا دیا ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے آدمی صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح کمائی کے واسطے مزدوری کرتا رہتا ہے (چاہے تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت وغیرہ) پھر بھی اس کی ضرورتیں پوری ہونے کا نام نہیں لیتی، یہ دراصل نتیجہ ہے اس چھوٹے معیارِ زندگی کا جو آج کل پڑھے لکھے اور ترقی یافتہ طبقہ کے دل ودماغ پر سوار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے سلسلے میں اس طرح کا غلو اور اِفراط جس میں آج کا انسان مبتلا ہے، شریعت کی نگاہوں میں درست نہیں، اور ایسے ہی معیارِ زندگی کو پانے کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کی جاتی ہیں اور اسی تعلیم کے حصول میں عمر کا ایک بڑا حصہ لگایا جاتا ہے، اور جب تک آدمی یہ سب کچھ کر کے اپنا معیارِ زندگی اعلیٰ نہ بنالے وہاں تک نکاح اور شادی کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، یہ سب اسلامی تعلیمات سے میل کھانے والی چیز نہیں۔

بہر حال! اپنے شہوانی تقاضوں کی شدت کے نتیجے میں یا تو آدمی نکاح کر کے اپنی ضرورت پوری کرے، یا پھر شہوت کو کنٹرول کرنے کے لیے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے سے نگاہ کی حفاظت کرے اور روزوں کا اہتمام کرے؛ نیز فحاشی وعریانی اور بے حیائی والے، شہوت کو برانگیختہ کرنے والے ماحول سے اپنے آپ کو دور رکھے، اور اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرے، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے، اللہ تعالیٰ

کی طاعت وعبادت کا اہتمام اور ہر معاملے میں سنت وشریعت کا اتباع لازم پکڑے، اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں جو ہدایات تفصیل سے دی گئی ہیں اور علما وصلحائے امت نے اپنی کتابوں میں قرآن وحدیث کے ان نصوص کی جو تفصیل وتشریح کی ہے اس کا مطالعہ کثرت سے کرے، نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہوکر روزِ قیامت اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، اس چیز کو ہر وقت مدِ نظر رکھ کر اللہ سے ڈر کر اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچائے: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ اس سلسلے میں مختلف کتابیں اور رسائل مطبوعہ شکل میں موجود ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے، ہمارا ایک رسالہ ''نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت'' آپ کی خدمت میں بہ ذریعۂ ڈاک بھیجا جارہا ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۳/ ۲۱۷) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ رہنے والے لڑکوں کا علاج اصلاحِ معاشرہ کی محنت ہی ہے

سوال: گاؤں میں نوجوان جس میں بالخصوص مزدور اور جاہل طبقہ کے لوگ غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ رہتے ہیں، اسی طرح بہت سی مسلمان عورتیں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ رہتی ہیں، اب اس تعلق سے گاؤں میں بہت ہی تنگی کا ماحول ہے، بعض مرتبہ یہ باتیں قومی فساد کا باعث بھی بن جاتی ہیں، بایں وجہ ہم پریشان ہیں، بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ: ساتھ میں رہ کر زنا کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں ان کو مسلمان بنا کر نکاح کروالے تو زیادہ اچھا؛ مگر اب تک ہمارا انداز ہے کہ اس طرح نکاح کا ہونا صرف اور صرف ساتھ میں رہنے کے خاطر ہوتا ہے؛ کیوں کہ ایسے لوگ مسلمان ہونے کے بعد نہ

تو دین سیکھتے ہیں، اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ اپنا رہن سہن بھی نہیں بدلتے ہیں، خدانخواستہ اگر ان میں جدائی ہوتو فوراً وہ اپنے مذہب کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اور مذہبِ اسلام کی بدنامی ہوتی ہے اور قومی فساد کا پورا خطرہ رہتا ہے، اور یہ سب تفصیلات بالکل آزمودہ ہیں، ہماری حیثیت مثل سروتے میں چھالیا کی سی ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

(الف) اگر مرد اور عورت میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اولاد کا کیا حکم ہے؟ وہ مسلمان شمار ہوگی یا غیر مسلم؟

(ب) اگر ان بچوں میں سے کسی کا انتقال ہوجاوے تو ان کی تجہیز وتکفین وتدفین اسلامی طریقہ کے مطابق کی جائے گی؟

(ج) اگر کوئی نومسلم عورت کسی مسلمان مرد کے نکاح میں ہو؛ مگر مرد کے انتقال کے بعد اس عورت میں اسلام کی کوئی بھی علامت نہ پائی جاتی ہو؛ اور اس کا انتقال ہوجائے تو اس کی تدفین اسلامی طریقہ سے کی جائے یا نہیں؟

اس جیسے کئی مشکل سوالوں کا سامنا پڑتا ہے، نیز یہ سب غریب، جاہل اور جھونپڑوں میں رہنے والوں کے وہاں ہو رہا ہے، الحمد للہ! وہاں بھی دینی محنت جاری ہے، مزید رہبری فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف، ب، ج) اس کا صحیح علاج تو درحقیقت اصلاحِ معاشرہ کی محنت بڑے پیمانے پر کر کے آنے والی نسل کو دینی احکام سے واقف کروا کر ان کے قلوب میں دینی احکام پر عمل کرنے کے جذبہ کو بیدار کرنا ہی ہے، زنا سے بچانے کے لیے اسلام میں

داخل کر کے نکاح کرا دینا اور اس کے بعد بھی ان پر محنت جاری رکھنا ہے، آگے چل کر وہ واپس اپنے مذہب میں چلے جائیں گے اس اندیشے سے اس کام کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اس سے کم از کم اتنا فائدہ تو ہوگا کہ سماج زنا سے نجات پا جائے گا، وہ بھی بہت بڑا فائدہ ہے؛ اس لیے کہ ان کو اسی حال میں چھوڑ دینے کی صورت میں زنا کے عام ہوجانے کے ساتھ دوسرے لوگوں کے قلوب سے زنا کی برائی ختم ہوجائے گی، جس کا نقصان بالکل ظاہر ہے؛ بلکہ زنا کی اولاد کا برادری میں اضافہ ہوگا، جب کہ مسلمان بنا لینے سے ان سب خرابیوں سے حفاظت ہوجائے گی، آگے چل کر جب خدانخواستہ وہ واپس اپنے مذہب میں چلے جاویں تو سماج کے بڑے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں؛ مگر یہ کام نادانوں کے حوالے ہرگز نہ کیا جائے جس سے قومی فساد برپا ہو۔ جب تک سامنے والا شخص مسلمان نہ بنے، وہاں تک نکاح درست نہیں، اور اولاد ولد الزنا غیر ثابت النسب شمار ہوگی؛ لہٰذا ایسی اولاد کی نسبت باپ کی طرف نہیں ہوسکتی، ماں کی طرف ہی ہوگی، ماں مسلمان ہوگی تو وہ اولاد مسلمان کہلائے گی، اور وہ انتقال کر جائے تو ان کی تجہیز و تکفین بھی اسلامی طریقہ کے مطابق ہوگی اور اگر ماں غیر مسلم ہو تو بچہ بھی غیر مسلم کہلائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اگر کوئی پڑھ لے تو اس سے نزاع واختلاف بھی نہیں کیا جائے گا۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۹۴)

نومسلم عورت جو مسلمان مرد کے نکاح میں تھی، اس مرد کے انتقال کے بعد اگر اس نے کوئی ایسے کام کا ارتکاب کیا یا پھر کوئی ایسی بات کہی جس سے کفر لازم آتا ہو اور آخر تک اسی حالت پر رہی ہو اور تجدیدِ ایمان نہ کیا ہو تو اس کی تجہیز و تکفین و تدفین اسلامی طریقہ سے نہ کرے اور اگر ایسا کچھ نہیں کیا؛ یعنی ایسا قول و فعل جس سے کفر لازم آتا ہو

نہیں کیا تو اس کی تدفین اسلامی طریقہ کے مطابق کی جائے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۴/ ۵۷۶)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

محرم مرد کا عورت کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا

سوال: ایک عورت ہے، جو ایک محرم کے ساتھ کئی عرصے سے ہے، وہ شخص اس عورت کو خدا کو حاضر وناظر جان کر اپنی بیوی تسلیم کرتا ہے، اس سے اس کی چار اولادیں بھی ہیں؛ مگر اس سے ابھی تک کسی بنا پر نکاح نہیں کیا ہے؛ مگر بیوی کو شریکِ حیات سمجھتا ہے؛ لیکن اب کہتا ہے کہ: میں نکاح کروں گا،، آپ بتائیے کہ گذرا ہوا جو عرصہ تھا وہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ اس شخص کے تعلقات بہت دنوں سے ہیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

جو مرد کسی عورت کا محرم ہو؛ یعنی اس کا اس کے ساتھ ایسا رشتہ ہو جس کی وجہ سے شرعاً ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہوتا ہے تو اس عورت کے ساتھ اس کا اس طرح رہنا سخت حرام ہے، اس کے ساتھ صحبت کرنا زنا کرنا ہے، اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد بھی حرام ہے، جب مرد محرم ہے تو اس کے ساتھ نکاح بھی حرام ہے؛ اس لیے نکاح کرنے سے وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہو جائے گی؛ بلکہ حرام ہی رہے گی، یہ دونوں سخت گنہگار ہیں، ان کو چاہیے کہ پہلی فرصت میں ایک دوسرے سے علیٰحدگی اختیار کریں، اور اب تک جو ہو چکا ہے اس پر سچے دل سے توبہ کریں، اور آئندہ اس قبیح وشنیع حرکت کا تصور بھی نہ کریں، یہ دنیوی زندگی چند روزہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے، اور اس کا جواب دینا ہے۔ (محمود الفتاویٰ: ۵/ ۳۱۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

اجنبیہ کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا

سوال: ایک مسلم انسان (مرد) ہے جس سے میرے تعلقات تقریباً پندرہ سال سے ہیں، اور اس سے میری چار اولادیں بھی ہیں؛ لیکن اس شخص نے ہر وقت مجھے یہی کہا کہ: میں جو بھی جسمانی تعلق تم سے رکھتا ہوں صرف خدا کو حاضر وناظر جان کر اپنی بیوی سمجھتا ہوں، صرف انھوں نے مجھ سے نکاح نہیں کیا؛ لیکن مفتی صاحب! اب خدا کے فضل سے خدا کے خوف سے وہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو آپ ہی بتائیں کہ وہ گذرے ہوئے جو ہمارے دن ہیں وہ کیا کہلائیں گے؟ یہ درست ہے یا نہیں؟ انھوں نے جو بھی جسمانی تعلق کیے ہر وقت عورت سمجھ کر، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

بغیر عقدِ نکاح آج تک جو تعلق اس مرد نے آپ کے ساتھ رکھا وہ شریعت کی نظر میں حرام ہی ہے، اور اس کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوئی وہ بھی غیر ثابت النسب ہی ہے، دونوں کے لیے ضروری ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیٰحدگی اختیار کر کے اپنے اس گناہ سے سچی توبہ کریں، اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اگر صدق دل سے ہو، آئندہ اگر ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو شرعی طریقے کے مطابق گواہوں کی موجودگی میں عورت مرد سے یوں کہے کہ: میں نے اپنے آپ کو تمھارے نکاح میں دیا، اور مرد اس کے جواب میں کہے کہ: میں نے تمھیں اپنے نکاح میں قبول کیا، اس طرح کرنے سے نکاح ہو کر دونوں ایک دوسرے کے کے لیے حلال ہو جائیں گے، یہ یاد رہے کہ گواہ دو مرد مسلمان دین دار ہوں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہوں۔ (محمود الفتاویٰ: ۵/ ۳۱۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

اجنبیہ کے ساتھ زندگی گزارنا

سوال: میں غیر شادی شدہ ہوں اور ایک عورت جو غیر قوم سے ہے، تقریباً ساڑھے پانچ سال سے میرے ساتھ ہے اور ایک ڈیڑھ سال کا بچہ (لڑکی) بھی ہے، اب تک تو مجھے معلوم نہیں تھا، اب میں کیا کروں اور بچے کا کیا کرنا ہے؟ تفصیل سے میری رہنمائی کریں، عورت اور گاؤں والے سب راضی ہیں، اب مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

آپ کا ایک اجنبیہ اور غیر مسلم عورت کے ساتھ اس طرح زندگی گذارنا اور اس کے ساتھ زوجہ جیسا معاملہ کرنا یقیناً بڑا سنگین گناہ ہے، اولین فرصت میں اپنی اس حرکت سے توبہ ضروری ہے، یہ زندگی چندروزہ ہے، اس کے بعد موت کا آنا یقینی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تمام حرکتوں کا جواب دینا ہوگا، خوش نصیب ہے وہ بندہ جو موت سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے تائب ہو کر آئندہ پیش آنے والی جواب دِہی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرے۔ توبہ کی صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ اس عورت سے علیٰحدگی اختیار فرمالیں؛ اس طور سے کہ اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہ رہے، اس کے بعد اپنی آج تک کی کوتاہی پر نادم وشرمسار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد فرمائیں کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت کا مرتکب نہ ہوں گا، اس کے بعد مناسب تو یہی ہے کہ کسی مسلمان عورت کے ساتھ عقدِ نکاح فرما کر عفت و پاک دامنی کی زندگی گزاریں اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس غیر مسلمہ کے ساتھ دل کی وابستگی دوبارہ معصیت میں مبتلا کرے گی اور دل پر قابو نہیں ہے تو پھر اس کی اجازت ہے کہ آپ اس عورت کو اسلام کی دعوت دیں، وہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے، اس کے بعد آپ اس سے عقدِ نکاح فرمالیں اور اپنے آپ کو قعرِ مذلت سے نکالیں۔ (محمود الفتاویٰ: ۵/ ۳۱۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

رشتہ اور منگنی کے متعلق مسائل

رشتہ (منگنی) کرنا ثابت ہے؟

سوال: آج کل شادی سے قبل منگنی کا جو رواج ہے کیا وہ ثابت ہے؟ اور اس میں لڑکی کو زیور، کپڑے وغیرہ دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

منگنی کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ لڑکی یا لڑکے کے نکاح کے لیے مناسب و موزوں گھرانے کے ساتھ گفتگو اور وعدہ کرنا، دونوں خاندان زبانی گفتگو یا خط کے ذریعہ ایک دوسرے کو وعدہ دے دیں تو منگنی ہوگئی، اتنا تو ثابت ہے، اس کے علاوہ دوسرا جو کچھ کیا جارہا ہے اس کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۲۱۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شریکِ حیات کا انتخاب

سوال: ہمارے یہاں جب لڑکا یا لڑکی جوان ہوتے ہیں تب ماں باپ شادی کی فکر کرتے ہیں، اکثر و بیشتر والدین اور لڑکا، لڑکی بھی مال داری، خوب صورتی اور فیشن وغیرہ امور مدِّ نظر رکھ کر انتخاب کرتے ہیں تو شادی کے لیے مال و جمال اور حسب وخاندان وغیرہ امور کا مدِّ نظر رکھنا والدین کے لیے کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

نکاح کے لیے لڑکے یا لڑکی کے انتخاب کے لیے کیا معیار ہونا چاہیے؟ اسلام

نے اس سلسلے میں بہت واضح ہدایات دی ہیں اور وہ معیار سامنے رکھا جس سے نکاح کے فوائد اور مقاصد کے حصول میں مدد ملے اور زوجین کی زندگی خوشگوار سے خوشگوار تر بن جائے، ایک دوسرے کے حقیقی رفیق اور خیر خواہ بنیں، اِن مقاصد کا حاصل ہونا نہ ہونا زیادہ تر؛ بلکہ تمام تر عورت کے مزاج اور اس کے اوصاف پر موقوف ہے، اگر وہ ان خوبیوں اور اوصاف سے آراستہ ہے جو اچھی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں تو دونوں کی زندگی خوشگوار، قابلِ رشک اور اُن کی دنیا بھی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اچھی عورت کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیا گیا:

إنما الدنيا متاع وليس من متاع الدنيا شيء أفضل من المرأة الصالحة.

پوری دنیا بس وقتی نفع پہنچانے والی چیز ہے اور دنیا کی نفع بخش چیزوں میں نیک اور اچھی عورت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ (ابنِ ماجہ: ۱۳۳)

ایک اور موقع پر اچھی عورت کے اوصاف ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والی نعمت فرمایا:

ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة ، إن أمرها أطاعته ، و إن نظر إليها سرّته ، وإن أقسم عليها أبرّته ، و إن غاب عنها نصحته في نفسها و ماله . (مشکوٰۃ: ۲۶۸، ابن ماجہ: ۱۳۳)

مؤمن کو تقویٰ کے بعد سب سے زیادہ اچھی بیوی سے فائدہ پہنچتا ہے (اور اچھی بیوی کے اوصاف یہ ہیں) جو شوہر کے حکم کی فوراً تعمیل کرتی ہو، شوہر کو اس کی طرف دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہو، اس پر اعتماد کرتے ہوئے قسم کھالے تو وہ اسے پورا کر دیتی ہو، نیز شوہر کی عدمِ موجودگی میں اس کے مال کو ضائع نہ کرتی ہو اور اپنی ذات سے بھی

کوئی خیانت نہ کرتی ہو۔

عام طور پر انسان اپنی کوتاہ اندیشی اور جذبات سے مغلوبیت کی بنا پر حسنِ صورت کو حسنِ سیرت پر ترجیح دیتا اور ایسی عورت سے نکاح کرنے کا زیادہ خواہش مند نظر آتا ہے جو شکل وصورت میں ممتاز ہو؛ حالاں کہ یہ بہت جلد متغیر؛ بلکہ زائل ہو جانے والا وصف ہے اور زائل نہ ہو تب بھی اُس کا فائدہ بہت محدود اور وقتی ہوتا ہے؛ اس لیے عقل ودانش اور دور بینی کا تقاضا یہ نہیں کہ بس شکل وصورت پر ایسی نظر ہو کہ باقی دوسرے اوصاف کی اہمیت نہ رہ جائے، شارع علیہ السلام نے اس بارے میں بھی کس قدر بلیغ انداز میں رہنمائی فرمائی ہے:

تنكح المرأة لأربع : لمالها و لحسبها و لجمالها و لدينها ، فاظفر بذات الدين تربت يداك .(بخاری:۲/۷۶۲)

عورت سے نکاح کرنے کی رغبت (عموماً) چار چیزوں کی بنا پر ہوتی ہے: دولت، خاندانی وَجاہت، خوب صورتی اور دین داری، تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو؛ یعنی دین دار عورت سے نکاح کرو، یہی بڑی کامیابی ہے۔

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ قابلِ ترجیح وصف دین داری ہے، جس شخص کو دین دار بیوی مل جائے وہ بڑا خوش نصیب اور اس کی زندگی کامیاب ہے؛ کیوں کہ حقیقی دین داری عورت کو تمام حقوق ادا کرنے، برائیوں سے بچنے اور ہر قسم کی خیر خواہی پر آمادہ کرے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شوہر کی اطاعت، اپنی عصمت کی حفاظت، مال ومتاع کی نگرانی، خرچ میں کفایت شعاری، اولاد کی تربیت اور شوہر کی خیر خواہی وغیرہ تمام کام بہ احسنِ اسلوب انجام دے گی۔

خلاصہ یہ کہ وہ ان تمام خوبیوں کی حامل ہوگی جو ایک بہترین رفقیۂ حیات میں مطلوب ہوتی ہیں، ان ہی اوصاف کی بنا پر (عربوں میں) قریش کی نیک عورتوں کو آں حضرت ﷺ نے بہترین خواتین قرار دیا ہے:

خير نساء ركبن الإبل صالح نساء قريش، أحناه علىٰ ولد في صغره وأرعاه علىٰ زوج في ذات يده. (بخاری:۲/۷۶۰)

عربوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں کہ وہ بچوں پر نہایت شفیق (اُن کی پرورش کرنے میں بہت مستعد) اور شوہر کے مال اور ذاتی اَملاک کی بہت دیکھ بھال کرتی ہیں۔

ایک موقع پر وعظ و نصیحت کے انداز میں عورتوں کو پسندیدہ اوصاف اپنانے کی اس طرح اہمیت جتائی:

المرأة إذا صلت خمسها و صامت شهرها و أحصنت فرجها و أطاعت بعلها، فلتدخل من أي أبواب الجنة شاءت.(مشکوٰۃ:۲۸۱)

عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہو، پورے رمضان کے روزے رکھتی ہو، شرم گاہ کی حفاظت اور شوہر کی فرماں برداری کرتی ہو، تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے بھی چاہے داخل ہو جائے۔

ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ سے معلوم کیا گیا کہ: بہترین بیوی کونسی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

التي تسره إذا نظر، وتطيعه إذا أمر، ولا تخالفه في نفسها ولا في ماله بما يكره.(مشکوٰۃ:۲۸۳)

جسے دیکھ کرشوہر کوخوشی ہو،شوہر کے ہر حکم کی تعمیل کرے اوراپنی ذات اورشوہر کے مال میں کوئی کام ایسانہ کرے جوشوہر کوناپسند ہو۔

جس طرح بیوی کے انتخاب میں دین داری کوترجیحی وصف قرار دیا گیا ہے، اسی طرح شوہر کا بھی یہی وصف لائقِ ترجیح بتایا گیا ہے؛ کیوں کہ دین داری اور خدا کا خوف اُس کو بیوی کے حقوق ادا کرنے پرجس درجہ آمادہ کرسکتا ہے دوسری کوئی چیز نہیں کرسکتی، بیوی کو شادی کے بعد اصل شکایت شوہر سے یہی ہوتی ہے کہ وہ زیادتی کرتا ہے اوراُس کے حقوق پوری طرح ادانہیں کرتا ہے؛ اس لیے جس کا شوہر تمام حقوق ادا کرتا ہووہ خوش نصیب اوراُس کی زندگی کامیاب اور قابلِ رشک خیال کی جاتی ہے اور ایسا شخص بہترین شوہر سمجھا اور کہا جاتا ہے۔

اِس موقع پرجلیل القدر تابعی حضرت حسنِ بصریؒ کا ایک نہایت حکیمانہ مشورہ نقل کردینا مناسب؛ بلکہ ضروری معلوم ہورہا ہے، جسے ملاعلی قاریؒ نے ’’مرقاۃ المفاتیح‘‘ میں نقل کیا ہے: تابعی جلیل حضرت حسنِ بصریؒ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: حضرت! میری لڑکی کے لیے مختلف لوگوں کی طرف سے پیغامات آرہے ہیں،آپ سے مشورے کا طالب ہوں کہ کس شخص سے اُس کا نکاح کروں؟

موصوف نے فرمایا: بس ایسے شخص سے نکاح کرنا جواللہ سے ڈرتا ہو، پھر یہ حکمت بیان فرمائی:

فإنه إن أحبها أكرمها وإن أبغضها لم يظلمها.(مرقات:۳/ ۴۰۳)

کیوں کہ اگر وہ اُسے پسند کرے گا تب تو قدر کرے گا ہی، ناپسند کرنے کی صورت میں بھی ظلم نہیں کرے گا۔

اصل مسئلہ ناپسند ہونے یا توافقِ طبع نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور اِس کا اِمکان بہر حال رہتا ہے کہ کسی وقت بھی ایسی صورت پیش آ جائے، دین دار شوہر ایسی حالت میں بھی دل آزاری نہیں کرے گا اور ظلم نہیں ڈھائے گا، اِس کے بر خلاف خدا کا خوف اُس میں نہیں ہے تو اسے زیادتی کرنے اور ستانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین داری کو ترجیحی وصف بتانے کے ساتھ بعض دوسرے اوصاف کی قباحتیں بھی بیان فرمائی ہیں، مثلاً فرمایا:

لاتزوجوا النساء لحسنهن ، فعسىٰ حسنهن أن يُرْدِيَهُنَّ ، و لا تزوجوهن لأموالهن فعسىٰ أموالهم أن تطغيهن ، ولٰكن تزوجوهن على الدين إلخ .(ابن ماجہ: ١٣٣/١٣٤)

محض خوب صورتی کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح نہ کرنا؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ حسن اُس کے لیے تباہی و بگاڑ کا ذریعہ بن جائے، محض مال و دولت کی وجہ سے بھی نکاح نہ کرنا؛ کیوں کہ مال سے عموماً سرکشی آ جاتی ہے (کیوں کہ مال دار بیوی نادار شوہر کی اطاعت کرنے کے بجائے اکثر اُسے اپنا خادم سمجھنے لگ جاتی ہے) بس دین داری کی بنا پر شادی کرو۔

ایک اور حدیث میں دوسرے انداز میں مال و جاہ کی مضرّتیں بتائی گئی ہیں:

من تزوج لعزها لم يزده إلا ذلًّا، ومن تزوجها لمالها لم يزده إلا فقرا ، ومن تزوجها لحسبها لم يزده إلا دناءة ، ومن تزوج امرأة لم يرد بها إلا أن يغض بصره ويحصن فرجه أو يصل رحمه بارك الله له فيها و بارك لها فيه . (رواه الطبراني في الأوسط، فتح القدير: ٢/٥)

جو شخص عزت کے حصول کے لیے کسی عورت سے نکاح کرے گا اُس کی ذلت میں اضافہ ہوگا، جو شخص صرف مال کی بنا پر شادی کرے گا اُس کے فقر میں اضافہ ہوگا اور جو خاندانی شرافت کی بنا پر کسی عورت سے نکاح کرے گا (اور مقصد یہ ہو کہ اسے بھی لوگ شریف سمجھنے لگ جائیں) اُس کی عزت بڑھے گی نہیں، گھٹے گی۔ ہاں! جس شخص کا نکاح کرنے سے مقصد یہ ہو کہ اُس کی زندگی پاکیزہ ہوجائے، یا وہ رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کر سکے تو ایسا نکاح دونوں کے واسطے باعثِ خیر و برکت ہوگا۔

اِن ہدایات کے ساتھ شارع علیہ السلام نے ایک نہایت قابلِ غور اور ہر ہوش مند کو چونکا دینے والی یہ پیشین گوئی بھی فرمائی ہے:

إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه ؛ إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض . (ترمذي: ۱/۲۰۷)

جب کسی ایسے شخص کی طرف سے پیغام آجائے جس کے اخلاق و دین سے تم مطمئن ہو تو (فوراً) شادی کردو؛ ورنہ زمین کے اندر عظیم فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

اِن تمام ہدایات، خاص طور پر آخری ہدایت کی پابندی کرنے اور اُن پر عمل کرنے کا نتیجہ دنیا میں بھی نہایت خوشگوار اور اطمینان کی زندگی مُیسَّر آنے کی شکل میں ظاہر ہوگا؛ کیوں کہ عورت و مرد - خاص طور پر عورت - کی جن خوبیوں کی بنا پر نکاح کرنا پسندیدہ قرار دیا گیا ہے اُن کا قدرتی نتیجہ ہوگا۔ علاوہ ازیں غیر جانب دارانہ طور پر غور و فکر کے بعد یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ جن صفات کو اِس بارے میں مطلوب قرار دیا گیا ہے اُن سے زیادہ بہتر صفات کا پتہ چلانے میں عقلِ انسانی مشکل ہی سے کامیاب ہو سکے گی اور مال وجاہ والوں کے پیام کی امید میں لڑکیوں کی شادی نہ کرنے سے جو جو

فساد پھیل سکتا ہے یا پھیل رہا ہے اس کا انکار آج کسی باخبر کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔
(معاشرتی مسائل: ۵۳-۵۸،محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۳۳-۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

غیر برادری میں رشتے کے متعلق ایک جوان لڑکی کی الجھن

سوال: عورت کی زیادہ تعلیم اس کا مناسب رشتہ تلاش کرنے میں زیادہ تکلیف کا باعث بنتی ہے، اب جب کہ حالات بدل چکے ہیں جس میں انٹرنیٹ اور ٹی وی چینل اور اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے عورتیں بے قابو ہوگئی ہیں اور اپنے مستقبل کا خود ہی فیصلہ کرنے لگی ہیں، تب بھی والدین کا اپنی پڑھی لکھی لڑکیوں پر اپنے ہی سماج کے تعلیمی اعتبار سے نچلے طبقے کے لڑکوں کے ساتھ شادی کرنے پر دباؤ ڈالنا اور نہ ماننے پر کنواری بٹھائے رکھنا، کیا یہ قانونِ اسلام کے مطابق درست ہے؟ سماج میں مناسب لڑکا نہ ملے تو دوسرے سماج کے مسلم لڑکے کے ساتھ نکاح کروانے میں کیا حرج ہے؟ کیا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا؟

میں قریشی خاندان کی لڑکی ہوں، B.S.C. ہوئی ہوں، ابھی M.S.C. کر رہی ہوں، ہمارے سماج کے قریبی اور دور کے رشتے داروں کے سارے لڑکے پانچویں، ساتویں، زیادہ سے زیادہ دس اسکول تک پڑھے ہوئے ہیں، گوشت بیچتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو کالج تک پڑھے ہوئے ہیں؛ مگر سماج میں ان کی بالکل عزت نہیں ہے اور میرے والد خاندانی باعزت ہیں: اس لیے میری شادی کے لیے کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا، مزید یہ کہ سچے اور ایمان دار لوگوں کو جھوٹے اور غیر لائق ٹھہرانے کا یہ زمانہ ہے، والد کو بھی سماج کی طرف سے ایسا تجربہ ہو چکا ہے، والد ایک طرف، اور جماعت ایک طرف، کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ پوری جماعت میرے والد کی محتاج ہوئی ہے، والد اور چچا کے

بیچ بھی پھوٹ ڈال کرلڑائیاں کروائی گئیں، جس سماج کا میرے خاندان کے ساتھ یہ سلوک ہے، کیا اس سماج کے اَن پڑھ لڑکے کے ساتھ شادی کر کے میں خوش رہ سکتی ہوں؟ دیگر مسلم سماج کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے سے شادی کرنے کا مجھ کواختیارنہیں ہے؟ میری پھوپھی بھی B.S.C ہے اوراسی وجہ سے آج تک کنواری (غیرشادی شدہ) ہے، کیا مجھ کوبھی غیرشادی شدہ رہنا چاہیے؟ ہمارے سماج کی ہی کئی لڑکیاں دوسرے سماج کے لڑکوں کے ساتھ چلی گئیں، تب گھر کی عورتوں نے باتیں بنائی تھیں، کیاوہ اپنی سماجی بدنامی کے خاطر مجھے روک سکتی ہیں؟

میرے گھر کے افراد ویسے بہت دین دار ہیں؛ مگر بہو کی حیثیت سے جو معاملہ میری والدہ کے ساتھ ہوا ہے اگر میرے ساتھ ہوتو میرے لیے نا قابلِ برداشت ہے۔

شادی کے وقت میکہ والوں کی طرف سے معمولی بھول کی بنا پر میری والدہ کو بہت کچھ سہنا پڑا، آخر میرے والد کے ساتھ الگ رہنے کے لیے چلی گئیں، میں اپنی پھوپھی اور چچا کے وہاں رہ کر بڑی ہوئی، چچی کے ساتھ بھی والدہ جیسا معاملہ ہوتے ہوئے دیکھتی آئی ہوں، ہمارے سماج میں اچھائی کی قدر کے مقابلے میں برائی کی اشاعت کا وصف زیادہ ہے، جس کی وجہ سے بے شمار گھریلو جھگڑے ہورہے ہیں، ہماری والدہ کے مانند سماج میں شادی کر کے جھگڑے مٹانے کی غرض سے الگ رہوں گی تو لوگ کہیں گے: جیسی ماں ویسی لڑکی، اب بتلایئے! مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ سماج اور رشتے داروں سے تنگ آ کر سماج میں شادی نہ کرنے کا میں نے فیصلہ کرلیا ہے، کیا میں مناسب لڑکا تلاش کرنے کے لیے گھر والوں پر دباؤ ڈالوں؟ یا پھر بغیر شادی کے کنواری ہی مرجاؤں؟

اسلام کی کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ اپنے سماج کے لڑکے کے ساتھ ہی شادی کرنی چاہیے؟ کیا دوسرے مسلمان نہیں ہے؟ آج ہر سماج میں یہ سوال اٹھ رہا ہے، اس کا کیا حل؟

(الف) کیا لڑکیوں کی دنیوی تعلیم پر روک لگا دینی چاہیے؟

(ب) کیا زبردستی سماج میں ہی شادی کروا دینی چاہیے؟ چاہے بعد میں ہم آہنگی نہ ہونے کی بنا پر طلاق، خودکشی، باوجود شادی شدہ ہونے کے دوسروں کے ساتھ بھاگ جانے، لڑکا لڑکی کے اِدھر اُدھر منہ مارنے جیسے واقعات میں اضافہ ہوتا رہے؟

(ج) بصورتِ دیگر لڑکیوں کو کنواری ہی رکھنا چاہیے؟

(د) یا پھر اس کے لیے علما کی رائے لے کر نکاح کمیٹی کھولنا چاہیے؟ جس سے ہم رائے لڑکے لڑکیوں کی شادی کا مرحلہ آسان ہو اور والدین بھی بریٔ الذمہ ہو جائیں، اس کا صاف حل بتائیں؛ ورنہ میں کچھ اور اقدام کر بیٹھوں گی، مجھ کو یہ پریشانی رات دن ستا رہی ہے، میری عمر کے ۲۳ر سال گزر چکے ہیں۔

(ھ) اگر کوئی لڑکا مناسب مل جاتا ہو؛ مگر اپنے سماج کا نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی نہ کروائیں تو ایسے والدین کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہوگی؟

(و) ایک لڑکا، لڑکی جو ہر اعتبار سے باہم مناسب ہیں، والدین بھی راضی ہیں؛ مگر لڑکی میں کچھ جسمانی بیماری ہے جس کی پابندی سے دوائی لینا ضروری ہے یا اور کوئی جسمانی نقص ہے، ایسے حالات میں لڑکے والوں کے سامنے وضاحت کر لینا ضروری ہے؟ لڑکے کے والدین ناراض ہوں تو؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف، ب، ج، د) نکاح اس مقدس رشتے کا نام ہے جو نہ صرف زوجین کو؛ بلکہ ان کے تمام متعلقین کو بھی بہت سے حقوق وفرائض کا پابند کرتا ہے اور ان تمام حقوق و فرائض کی ادائیگی صرف میاں بیوی کی مکمل یک جہتی اور ہم آہنگی پر موقوف نہیں؛ بلکہ دونوں طرف کے اہلِ تعلق کے درمیان باہمی انس واحترام کو بھی چاہتی ہے۔

ادھر انسانی نفسیات کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ بہت ہی کم اور شاذ ونادر ایسے حضرات ہوں گے جو صرف ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (تم میں سے جو شخص اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو وہی اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے) کے اصول کو ازدواج میں کافی سمجھیں اور ان کی نظر نہ لڑکے، لڑکی کی عقل وشکل پر جائے، نہ تعلیم و تہذیب پر، نہ رنگ ونسب پر، نہ جاہ ومال پر۔

رشتۂ ازدواج چوں کہ محض ایک نظریاتی چیز نہیں؛ بلکہ زندگی کی امتحان گاہ میں ہر لمحہ اسے عملی تجربوں سے گزرنا ہوتا ہے اور اس رشتے سے بڑھ کر (اپنے عملی آثار ونتائج کے اعتبار سے) کوئی رشتہ اتنا نازک، اتنا طویل اور ایسے وسیع تعلقات اور ذمّے داری کا حامل نہیں؛ اس لیے اسلام نے - جو صحیح معنیٰ میں دینِ فطرت ہے- انسانی فطرت کی ان کمزوریوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

اسی لیے اسلام نے جہاں یہ فتویٰ دیا کہ ایک مسلمان خاتون کا نکاح بلاتمیزِ رنگ ونسل، عقل وشکل اور مال وجاہت ہر مسلمان کے ساتھ جائز ہے، وہاں اس نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ اس عقد سے متأثر ہونے والے اہم ترین افراد کی رضا مندی کے بغیر بے جوڑ نکاح نہ کیا جائے؛ تاکہ اس عقد کے

نتیجے میں تلخیوں اورلڑائی ، جھگڑوں کا طوفان برپا نہ ہوجائے، ان ہی وجوہات کی بنا پر جہاں رشتۂ ازدواج سے جڑنے والے دونوں فرد کے خاندان کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: (لڑکی اور اس کے والدین کی رضامندی سے) دوسری برادری کا لڑکا نیک اور عمدہ صفات کا حامل ہو اور اپنی برادری میں ایسا لڑکا نہ ہو تو غیر برادری کے ایسے لڑکے کو ترجیح دینی چاہیے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل)

نکاح میں جہاں والدین کی رضامندی کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے وہیں لڑکی کی رضامندی کو بھی بہت بڑا درجہ دیا گیا ہے؛ اس لیے والدین کی ذمّے داری ہے کہ جب انھوں نے اپنی لڑکی کو اچھی تعلیم دے کر اچھے اخلاق سے آراستہ کیا ہے تو اس کے لیے عمدہ صفات لڑکے کی تلاش کریں اور جہاں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی برادری ہی میں اپنی لڑکی کا نکاح ہو وہیں ان کو دوسری صفات میں لڑکا اور ان کی لڑکی کے ہمسر ہے یا نہیں؟ یہ بھی دیکھنا چاہیے؛ ورنہ شادی کے اس رشتے میں آگے چل کر بہت زیادہ دشواریاں کھڑی ہوں گی اور اس رشتے کی ناکامی کا خطرہ رہے گا۔

ایک طرف آپ لکھ رہی ہیں کہ:[والدین اپنی تعلیم یافتہ لڑکی کو اپنے ہی سماج کے تعلیمی اعتبار سے نچلے طبقے کے لڑکے کے ساتھ نکاح کرنے پر دباؤ ڈال رہے ہیں ......آخر تک] اور آگے لکھ رہی ہو کہ:[ایسے بھی ہیں جو کالج تک پڑھے ہوئے ہیں؛ مگر سماج میں ان کی بالکل عزت نہیں ہے......اور جہاں تک میرے والد کی بات ہے تو ان کا شمار قوم کے منتخب افراد میں ہوتا ہے......آخر تک] آپ کی ان دونوں باتوں میں تضاد ہے؛ اس لیے کہ آپ کے لکھنے کے مطابق جب آپ کے والد خاندانی شرافت کے مالک ہیں تو پھر سماج کے نچلے طبقے کے لڑکے کے ساتھ شادی کرنے پر کیوں دباؤ

ڈال رہے ہیں؟ کیا ان کو اپنی سماجی عزت کی پرواہ نہیں ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دنیوی تعلیم کی بنیاد پر خود کو اتنا اعلیٰ سمجھ رہی ہو کہ کسی کو اپنا ہمسر ماننے کے لیے تیار نہیں؟ اس پہلو پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اتنی بات تو آپ کے لکھنے کے مطابق متعین ہے کہ آپ کے سماج اور برادری میں علمی اعتبار سے آپ کا ہمسر نہیں ہے؛ لہٰذا اس بنیاد پر آپ دوسرے سماج اور برادری میں علمی اعتبار سے اپنا ہمسر لڑکا دیکھ کر نکاح کا ارادہ کروگی تو بھی ایک اعتبار سے بھلے وہ آدمی آپ کا ہمسر ہو؛ مگر والدین اور پورے سماج کی نظر میں وہ لڑکا آپ کے ہمسر نہ ہونے کی وجہ سے پریشانیاں اور تکلیفیں تو کھڑی ہوں گی ہی؛ اس لیے کسی بھی ایک جہت سے اپنے آپ کو سمجھانا ہی پڑے گا۔ بہرحال! آج کا زمانہ جو ظاہری اعتبار سے ترقی کر رہا ہے اور والدین بھی اس کے اثرات سے متأثر ہو کر اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر اس میں شامل ہو رہے ہیں تو اب والدین کی بھی ذمّے داری ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے اعتبار سے ان کی سوچ میں آئی ہوئی تبدیلی کو بھی پیشِ نظر رکھیں اور نکاح کے لیے لڑکا تلاش کرتے وقت ان کی سوچ کے اس پہلو کو بھی سامنے رکھیں؛ بالخصوص جب کہ اسلام بھی لڑکی کو اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی شادی کروانے کی اجازت نہیں دیتا۔

(ھ) آپ کے اس سوال کا جواب اوپر آچکا ہے۔

(و) اگر لڑکی میں کوئی جسمانی بیماری یا جسمانی نقص ہو جس کی اطلاع بعد میں ہونے سے نکاح کے رشتے پر کچھ اثر پڑ سکتا ہو تو ایسی بیماری اور نقص سے لڑکے والوں کو باخبر کر دینا چاہیے؛ تاکہ بعد میں پچھتانے کا موقع نہ آوے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۱۸-۱۲۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

پیغام کون دے؟

سوال: اپنے یہاں اکثر لڑکی والے پیغام دینے کو برا سمجھتے ہیں تو اسلام میں پیغام دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا لڑکی والے پیغام نہیں دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

نسوانیت کے احترام، فطری حیا اور صنفی نزاکت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ نکاح کی پیش کش عورت کی یا اُس کے سرپرستوں کی طرف سے نہ ہو؛ بلکہ مرد کی جانب سے ہو؛ تاکہ وہ طالب اور پیش کش کرنے والا بنے اور عورت مطلوب؛ اِس لیے مناسب یہ ہے کہ پیغام مرد کی طرف سے جائے اور وہ بھی براہِ راست عورت کے پاس نہیں؛ بلکہ اُس کے (اگر سرپست اولیا موجود ہیں تو) سرپرستوں کے پاس جائے اور یہ (سرپرست) ذرا سی بے نیازی اور عزتِ نفس کا مظاہرہ کریں، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضل الانبیا اور سید البشر ہونے کے باوجود متعدّد ازواج مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو خود ہی پیغام بھیجا تھا۔

مگر بعض مخصوص موقعوں اور ضرورتوں پر عورت یا اُس کے سرپرستوں کی طرف سے بھی پیغام بھیجا جا سکتا ہے، اس کی نظیریں بھی احادیث میں ملتی ہیں؛ بلکہ مشہور محدِّث امام بخاریؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''صحیح بخاری'' میں ''باب عرض الإنسان بنته وأخته علی أهل الخیر'' کا عنوان یہی بتانے کے لیے قائم کیا ہے کہ: اہلِ خیر وصَلاح کو عورت یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے بھی پیغام دیا جا سکتا ہے اور اس کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا کہ:

جب اُن کی صاحب زادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں اور ان کے نکاح

کی فکر ہوئی تو پہلے انھوں نے از خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی کی پیش کش کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چند روز کے بعد معذرت کر دی، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: تم پسند کرو تو حفصہ کو اپنی زوجیت میں قبول کرلو، وہ بھی خاموش رہے؛ کیوں کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادۂ نکاح کا انھیں علم ہو چکا تھا۔ (بخاری: ۲/۷۶۷)

اِس عنوان اور واقعے سے معلوم ہوا کہ بہتر اور مناسب موقع کے لیے عورت یا اُس کے اولیا خود بھی پیش کش کر سکتے اور پیغام دے سکتے ہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے۔ امام بخاریؒ نے ایک اور عنوان قائم کر کے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ کسی صالح انسان کے سامنے لڑکی خود بھی اپنے نکاح کا پیغام دے سکتی ہے، اگر چہ اُس زمانے میں بھی عورت کی طرف سے پیغام دینا حیا کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ (معاشرتی مسائل: ۷۱-۷۲)

لہٰذا لڑکی والوں کا یہ سمجھنا کہ ہم پیغام نہیں بھیج سکتے، غلط ہے؛ بلکہ اچھا رشتہ ملتا ہو تو خود ہی پیش کش کر کے آگے بڑھنا چاہیے اور اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ پیغام کے انتظار میں عمر بڑھ جائے اور زندگی بھر بے نکاح رہنے کی نوبت آئے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۱۴۸-۱۴۹) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بیرون میں منگنی کا انتظار کرنا

سوال: آج کل اپنے گجرات، خصوصاً جنوبی گجرات میں حالت یہ ہے کہ بیرون ممالک سے پیغامات آنے کا انتظار کیا جاتا ہے اور بہت سی جگھوں پر ایسا کرنے میں لڑکے اور لڑکی کی عمر بہت بڑی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے بہت سی برائیاں وجود میں آتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

حدیثِ پاک میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ کی جائے:
① نماز جب اُس کا وقت ہوجائے ② جنازہ جب آجائے ③ بے نکاح شخص (مرد ہو یا عورت) جب اُس کا جوڑا مل جائے۔ (مشکوٰۃ:۶۱)

جواب نمبر ایک میں لڑکے، لڑکی کے انتخاب کے معاملے میں شریعت کا بیان کردہ معیار مفصَّل ذکر کردیا گیا ہے؛ لہٰذا اولیا کی ذمّے داری ہے کہ جب لڑکا، لڑکی نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو فوراً ہی اُن کے لیے مناسب جوڑا پسند کرکے جلدی سے اُن کا نکاح کراکے اپنے ذمّے داری سے سبک دوش ہوجائیں اور لڑکے اور لڑکی کے لیے بھی باعفَّت وعصمت، پاکیزہ زندگی گزارنے کی راہ ہموار کردیں۔

مالی حیثیت اتنی ہے کہ مہر ادا کرکے عورت کا نان ونفقہ برداشت کرسکتا ہے اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا واجب اور ضروری ہے۔ (شامی: ۲/ ۳۸۳)

بیرونِ ممالک کے پیغام کا انتظار کرکے لڑکے اور لڑکی کے نکاح میں تاخیر کرکے اُنھیں بدکاری کی جانب دھکیلنا، والدین واولیا کے لیے سخت گناہ ہے، اِس طرح تاخیر کرنے کی وجہ سے جتنے گناہ اور برائیاں وجود میں آئیں گی، اُن کی پوری ذمّے داری بڑوں پر ہے۔

ہر مؤمن کے ایمان کا ایک جز تقدیر پر ایمان بھی ہے، اِس کے بغیر کوئی مؤمن

نہیں ہوتا، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب بچے کو رحمِ مادر میں چار ماہ گزر جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اُس کا عمل، عمر، روزی اور نیک بخت ہے یا بد بخت لکھ دیتا ہے، اس کے بعد بچے میں روح پھونکی جاتی ہے؛ لہٰذا اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے، روزی کی فکر کر کے اُس کی زندگی کو عذاب بنا دینا دانشمندی نہیں ہے۔

اور کیا بیرون بھیجا جانے والا ہر لڑکا، لڑکی خوش ہی ہوتے ہیں؟ جب ایسا نہیں ہے؛ بلکہ تجربہ تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے تو پھر ایک موہوم امید پر نظر رکھ کر یقینی اور حقیقی نقصانات مول لینا دنیوی نقطۂ نظر سے بھی حماقت ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۳۸-۱۳۹)

فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

دین داری دیکھ کر انکار کرنا

سوال: بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کسی لڑکے نے کسی لڑکی کے یہاں پیغام بھیجا، لڑکا شرعی لباس پہنتا ہے، ڈاڑھی رکھتا ہے، تو لڑکی والے اُس شرعی لباس اور شرعی چہرے کو دیکھ کر منع کر دیتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی دین دار، پردہ نشین ہو تو لڑکا انکار کر دیتا ہے کہ مجھے تو فیشن ایبل چاہیے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

لڑکے، لڑکی کے انتخاب سے متعلق شریعت کے مقرر کردہ معیار سے جواباتِ بالا میں مفصل بحث کی جا چکی ہے۔ ایک مسلمان کی بہ حیثیت مسلمان ہونے کے یہ ذمے داری ہے کہ اُس کا برتاؤ شریعت کے مطابق ہی ہو، اور شریعت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہی شریکِ حیات کا انتخاب ہو؛ لیکن عصرِ حاضر کے مسلم معاشرے

میں دنیا کی بے تحاشا محبت، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، نیز فیشن پرستی اور خود کو ماڈرن کہلوانے کے شوق میں لڑکے، لڑکی کی دین داری، اُن کا شرعی لباس اور چہرہ مہرہ ہی پسندیدگی میں رُکاوٹ بننے لگا، جو انتہائی افسوس ناک حقیقت ہے۔

آپ نے سوال میں جس حقیقت کا ذکر کیا ہے یہ دراصل قدرت کا ایک اَٹل قانون ہے، جس کا قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ (سورۂ نور:۲۶)

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقم طراز ہیں:

اِس آیت میں اول تو عام ضابطہ یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر جوڑ رکھا ہے، گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف، اور گندے بدکار مرد گندی بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں، اسی طرح پاک صاف عورتوں کی رغبت پاک صاف مردوں کی طرف ہوتی ہے اور پاک صاف مردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوا کرتی ہے اور ہر ایک اپنی اپنی رغبت کے مطابق اپنا جوڑ تلاش کرتا ہے اور قدرتاً اس کو وہی مل جاتا ہے۔ (معارف القرآن:۶/ ۳۸۳)(محمود الفتاویٰ گجراتی:۲/ ۱۴۷-۱۴۸)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

لڑکا اور لڑکی کی رضامندی کے بغیر رشتہ طے کرنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

سوال: زید کی منگنی ان کے دادا بکر نے عائشہ بنتِ خالد سے طے کی، زید کی والدہ فاطمہ کو اس منگنی سے بے خبر رکھا گیا، زید کو لڑکی بھی دکھلا دی گئی؛ مگر زید کی مرضی نہیں معلوم کی گئی، زید کی والدہ پر منگنی کے متعلق مبارک بادی کا فون آیا تب اسے علم ہوا، نیز زید کی والدہ اس منگنی سے راضی نہیں، بالجبر منگنی طے ہوئی ہے، فریقِ ثانی میں عائشہ کو بھی منگنی کا پتہ نہیں تھا، اس سے بھی اس کے والدین نے منگنی کو پوشیدہ رکھا؛ البتہ عائشہ کے والدین راضی تھے، عائشہ کی والدہ کو کسی نے پوچھا کہ: کیا عائشہ کو منگنی کا علم ہے؟ تو اس کی والدہ نے کہا کہ: عائشہ کو بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ زید کے والد عمر، ان کے والد بکر کے کہنے سے راضی ہو گئے ہیں، زید اور گھر کے دیگر افراد کو جب منگنی کا علم ہوا تو تعجب میں پڑ گئے؛ لہٰذا مذکورہ مسئلے کے بارے میں شرعی رہنمائی فرما کر ممنون کریں۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قد تقرر عندنا من سبر طريق الشارع أن كل أمر يقوم بجماعة يراعي فيه حال الطرفين، والأحاديث فيه ترد في الجانبين وذلك هو الأصلح لإقامة النظم، فالصواب في هذه المواضع أن تجمع أحاديث الطرفين و يوخذ المراد من مجموعها و من يقصر نظره على حديث الجانب الواحد فإنه لا يدرك من مراد الشارع إلا شطرا منه.

ترجمہ: صاحبِ شریعت حضورِ اکرم ﷺ کے طریقِ کار پر غور وفکر کے نتیجے میں جو بات ہمارے نزدیک ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کا تعلق ایک جماعت ؛ یعنی چند افراد سے ہو ایسے معاملے میں دونوں جانب کی حالت کا خیال رکھا جاتا ہے اور احادیث اس سلسلے میں دونوں فریق کی رہنمائی میں وارد ہوئی ہیں اور نظم ونسق کو قائم رکھنے کے لیے یہی طریقِ کار موزوں اور مناسب ہے؛ اس لیے ایسے مواقع پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ دونوں طرف کی احادیث کو پیشِ نظر رکھا جائے اور دونوں کے مجموعے کو سامنے رکھ کر صاحبِ شریعت ﷺ کی مراد سمجھنے کی کوشش کی جائے، جو آدمی صرف ایک طرف کی احادیث کو پیشِ نظر رکھے گا وہ صاحبِ شریعت ﷺ کی آدھی مراد پا سکے گا۔ (فیض الباری: ۴/ ۲۸۴)

آگے چل کر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس کی چند مثالیں پیش فرمائی ہیں، اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

فاعلم أن الأحاديث في أمر النكاح أيضا وردت بالوجهين إلخ.

نکاح کے معاملے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا تعلق دونوں گروہ؛ یعنی اولیا اور ماتحتوں سے ہے، جہاں ایک طرف ماتحتوں کو اولیا کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا گیا، وہاں دوسری طرف اولیا کو بھی ماتحتوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی۔

صورتِ مسئولہ میں دادا نے پوتے کا رشتہ طے کرتے ہوئے پوتے اور اس کی والدہ کی مرضی معلوم نہیں کی اور اپنے طور پر اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے یہ رشتہ طے کر دیا جس پر خود لڑکا - جس کا رشتہ طے کیا گیا ہے - راضی نہیں اور اس کی والدہ

بھی اس رشتے کے لیے تیار نہیں۔

اب اگر ان دونوں کی یہ ناراضگی اس لیے ہے کہ جہاں رشتہ طے کیا گیا ہے اس میں ان کے خیال میں شرعی طور پر نقص ہے یا لڑکے کو لڑکی پسند نہیں تو اس صورت میں دادا کو چاہیے کہ ان کے جذبات کی رعایت کرتے ہوئے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کریں۔

بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ: ایک خاتون خنسا بنت حزام رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے ان کی اجازت لیے بغیر کر دیا، انھیں وہ ناگوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نکاح کالعدم قرار دیا۔ (معاشرتی مسائل: ۵۶)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکی کے جذبات کی اتنی رعایت کی جس کے اختیار میں نکاح کے بعد طلاق کا حق بھی نہیں رہتا تو لڑکے کے جذبات کی رعایت بطریقِ اولیٰ کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ناگوار صورت پیش آئے۔

اور اگر جہاں رشتہ طے کیا گیا ہے ان میں شرعی طور پر کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں اور ناپسند بھی نہیں، صرف اس لیے مخالفت کی جا رہی ہو کہ ہم کو کیوں نہیں پوچھا گیا؟ تو لڑکے اور ان کی والدہ کا یہ رویہ شرعاً قابلِ مذمت ہے، ان کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر دیں، اسی میں اللہ کی طرف سے خیر ڈالی جائے گی۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۳/ ۲۹۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: شریعت میں منگنی کسے کہتے ہیں؟ منگنی کیسی ہونی چاہیے؟ اب ہمارے علاقے میں منگنیاں بھی شادیوں جیسی ہونے لگی ہیں، بڑی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں، مردوں اور خواتین کی حاضری ہوتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

عربی زبان میں منگنی کے لیے لفظ "خِطْبَة" استعمال ہوتا ہے جو مخاطَبت اور خطاب سے مشتق ہے، اِس کا معنیٰ ہوتا ہے: بات چیت، اور خاص نکاح کی بات چیت کے لیے لفظ "خِطْبَة" استعمال ہوتا ہے۔ (المفردات)

"قواعد الفقه" میں "التعریفات الفقهية" کے تحت فرماتے ہیں:

الخطبة بالكسر طلب المرأة للزواج .(ص:۲۷۸)

ترجمہ: نکاح کے لیے عورت کی منگنی کرنے کو خِطبہ کہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کے سامنے نکاح کی تجویز رکھے جانے کو "منگنی" کہا جاتا ہے۔ جب فریقِ ثانی اُس تجویز کر منظور کر لیتا ہے تو منگنی کا عمل مکمل ہو جاتا ہے، ازروئے شرع اِس کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، کسی عذرِ شرعی کے بغیر اُسے توڑنا گناہ ہے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں جیسے نکاح میں سادگی تھی، ویسے ہی منگنی میں بھی سادگی تھی اور تب منگنی حقیقی معنوں میں منگنی تھی، کسی نوع کا لَین دَین یا رسم و رواج کی پابندی نہیں تھی۔

اِس سے قبل ایک جواب میں تحریر کر چکا ہوں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بیوگی اور اختتامِ عدت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اُن کے نکاح کی تجویز رکھی تھی، اُس میں کسی رسم کی پابندی نہیں کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام لے کر میں

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آپ کے سامنے بیٹھا تو خاموش ہو گیا، بخدا! آں حضرت ﷺ کے رعب وجلال کی وجہ سے کچھ بول نہ سکا، خود آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی کام ہے؟ میں خاموش رہا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم فاطمہ کی منگنی کرنے کے لیے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۳۴۶) جسے بہ اذنِ خداوندی قبول فرمالیا گیا۔ بس! زبانی طور پر سب کچھ طے ہو گیا، نہ لوگ اکٹھا ہوئے اور نہ کوئی اہتمام ہوا۔ (معاشرتی مسائل: ۷۵)

لہٰذا منگنی کے لیے سب کو جمع کرنا، بڑی تعداد میں مردوں اور عورتوں کی حاضری، اُن کی دعوت وغیرہ شرعاً ضروری اور پسندیدہ نہیں؛ بلکہ خواتین کی موجودگی جن خرابیوں کو پیدا کرتی ہے وہ ظاہر وباہر ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

منگنی میں لین دین

سوال: اب منگنیوں میں لین دین بہت ہی زیادہ ہونے لگا ہے، مثلاً: بڑی تعداد میں کپڑے، انگوٹھی، گھڑی وغیرہ لیا دیا جاتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں عموماً یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے منگنی ٹوٹ جائے تو منگنی میں چڑھائی ہوئی چیزیں واپس کردی جاتی ہیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

شریعت نے نکاح کے لیے تو مہر کو ضروری قرار دیا ہے؛ لیکن منگنی کے لیے لین دَین کو ضروری یا مستحب نہیں بتایا ہے؛ لہٰذا اِس موقع پر کیا جانے والا لین دَین شرعاً ثابت نہیں، اس سے بچنا چاہیے؛ بلکہ جو لین دین نام ونمود کی خاطر کیا جاتا ہے وہ ناجائز اور حرام ہے۔

یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ بہ وقتِ منگنی دی ہوئی اشیا منگنی ٹوٹنے کی صورت میں واپس کردی جاتی ہیں، دو شرطوں کے ساتھ درست ہے: ایک یہ کہ وہ چیز جوں کی توں موجود ہو، ختم نہ ہوگئی ہو۔ دوسری یہ کہ اگر لڑکی والوں نے انکار کیا ہو تو ہی اُن سے واپس لیا جائے اور اگر انکار نہ کیا ہو تو اُن سے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳/ ۲۹۳، ۲۹۴)

غرضیکہ اگر فریقین نے باہمی رضامندی سے منگنی توڑی ہو تو دونوں ایک دوسرے کی اشیا واپس کردیں اور اگر انکار ایک ہی فریق کی جانب سے ہو تو انکار کرنے والے کے پاس سے واپس لی جائیں، دوسرے فریق سے نہیں۔

منگنی کے وقت کسی عالم سے دعا کرانا

سوال: منگنی کے وقت امامِ مسجد یا کسی عالمِ دین کو بلا کر دعا وغیرہ کروانا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

شرعاً منگنی مکمل ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں، کوئی شخص تبرکاً کسی عالم یا بزرگ سے دعا کروائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر رسم ورواج کی پابندی کے طور پر ایسا کرتا ہے تو بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

منگنی کے بعد لڑکے، لڑکی کا باہمی سلوک

سوال: منگنی کے بعد لڑکے، لڑکی کا باہمی معاملہ بہت ہی بڑھ جاتا ہے؛ بلکہ ایسے رہنے لگ جاتے ہیں جیسے شادی ہوگئی ہو، مثلاً: منگنی کے بعد خط وکتابت، فون پر بات چیت، بالمشافہہ بات چیت، ملاقاتیں، ساتھ میں گھومنے جانا وغیرہ۔

نیز بعض جگہوں پر منگنی کے بعد عید وغیرہ تہوار کے مواقع پر لڑکے کو دعوتِ طعام

دی جاتی ہے اور اُس وقت لڑکی کے والدین اپنے ہونے والے داماد کو کپڑوں کا جوڑا ہدیہ دیتے ہیں اور اکثر لڑکی کی ماں اپنے بننے والے داماد کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ سے گھڑی پہناتی ہے یا اپنے ہاتھ سے ہدیہ دیتی ہے اور لڑکی کے والدین خود ہی لڑکے، لڑکی کو خلوت کا موقع فراہم کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

منگنی محض وعدۂ نکاح ہے، نکاح نہیں، جیسے قبل از نکاح دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں، منگنی کے بعد بھی یہی حکم باقی رہتا ہے؛ لہٰذا منگنی کے بعد بھی لڑکا، لڑکی کے لیے اور لڑکی، لڑکے کے لیے حرام ہی ہے، دونوں کا باہم خط و کتابت کرنا، فون پر بات چیت کرنا، ساتھ میں گھومنے جانا اور خلوت میں ملنا؛ یہ تمام باتیں حرام اور ناجائز ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۳۴)

عید اور تہوار وغیرہ کے مواقع پر دعوتِ طعام تو دی سکتی ہے اور نام و نمود کے بغیر خلوصِ قلب سے کوئی ہدیہ تحفہ لڑکی کے والدین ہونے والے داماد کو دینا چاہیں تو وہ بھی دیا جاسکتا ہے؛ لیکن لڑکی کی ماں ابھی اپنے ہونے والے داماد کے لیے اجنبیہ ہے، اُس کا لڑکے کے ساتھ مشافہۃً بات چیت کرنا، بے پردہ ملنا، گھڑی پہنانا (جس میں اس کے بدن کو مَس بھی کرنا پڑتا ہے) جائز نہیں؛ بلکہ اگر لڑکی کی ماں جوان ہو تو شادی کے بعد بھی داماد سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ لڑکی کے والدین کا منگنی کے بعد اپنی بیٹی کو ہونے والے داماد کے ساتھ بات چیت اور خلوت کا موقع دینا ناجائز اور گناہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: بیرونی ممالک میں جو رشتے ہوتے ہیں ان میں منگنی کے بعد لڑکے لڑکیوں میں خط وکتابت بڑوں کی جانب سے ہی کروائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ: خط وکتابت کا یہ ریکارڈ برائے حصولِ ویزا ہائی کمشنر کو بتانا ضروری ہے، نیز دونوں کا ویڈیو ساتھ میں اُتارا جاتا ہے، دونوں کو شادی کے جوڑے میں دکھایا جاتا ہے، پھر اسی انداز کی تصاویر لی جاتی ہیں، بسا اوقات کسی ڈاڑھی والے کے جعلی نکاح پڑھانے کا ویڈیو لیا جاتا ہے، یہ سب کرنے کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ انٹرویو میں سہولت اور ویزا حاصل کرنے میں آسانی رہے، اِن امور کا حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

جیسا کہ اوپر بتا دیا: منگنی کے بعد بھی لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے اجنبی اور حرام ہی رہتے ہیں تو پھر دونوں میں باہمی خط وکتابت جاری کروانا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ اگر ویزا کے لیے یہ سب ضروری ہے تو دونوں کا نکاح پڑھا دیا جائے، اس کے بعد خط وکتابت کروائی جائے۔ جاننے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے، بسا اوقات خط وکتابت کی نقول پیش کرنے کے بعد بھی ویزا نہیں ملتا، اور بعض اوقات ان کے بغیر بھی ویزا مل جاتا ہے، جو حقیقتِ واقعہ ہو وہ پیش کردی جائے اور نتیجے پر راضی رہا جائے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے حاصل کردہ ویزا دین ودنیا میں کتنا سودمند ہوسکتا ہے، یہ ایک مؤمن کے لیے قابلِ غور ہے:

اے طائرِ لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی	جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جب خط وکتابت کی اجازت نہیں تو پھر ویڈیو کیسٹ کے ذریعے تصاویر تیار کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ تصویر کھینچنا اور کھنچوانا حرام اور گناہ ہے، حدیثِ

پاک میں اس پر وعیدِ شدید وارد ہوئی ہے۔

اور جعلی طور پر ڈاڑھی والی شخصیت کو نکاح پڑھاتے بتانا تو دھوکہ بازی اور فریب، نیز جھوٹ بھی ہے اور ان جھوٹی تقریبات کا انجام یہ آئے گا کہ سچے حقائق پر سے بھی اعتماد اُٹھ جائے گا، یہ نتیجہ ہے دین سے دوری اور دنیا کی اندھی محبت کا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

منسوبہ لڑکی سے خط وکتابت

سوال: ایک لڑکے کی نسبت ایک لڑکی کے ساتھ طے ہو چکی ہے، لڑکا اس نسبت کے ہو جانے کے بعد تحصیلِ علم کے لیے بیرونِ ملک چلا گیا، فراغت کے بعد شادی کا ارادہ ہے، شادی سے پہلے تحصیلِ علم کے دوران اس لڑکی سے خط وکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اس کے خطوط زیادہ تر پند ونصائح پر مشتمل ہوتے ہیں، خط نہ لکھنے کی صورت میں لڑکی کی طرف سے نسبت ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، کیا اس نسبت کو باقی رکھنے کے لیے خط وکتابت جائز ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

نسبت طے ہو چکنے کے بعد بھی جب تک نکاح نہیں ہوا ہے وہ لڑکی اس لڑکے کے حق میں اجنبیہ ہے اور جو حکم اجنبیہ کا ہے وہی اس لڑکی پر بھی جاری ہوگا، خط وکتابت -چاہے پند ونصائح پر مشتمل ہو- فتنہ اور استلذاذ سے خالی نہیں ہے اور حضراتِ فقہاؒ نے تو مرد کے حق میں عورت (اجنبیہ) کے جھوٹے اور عورت کے حق میں مرد کے جھوٹے کو بھی مکروہ لکھا ہے، درِ مختار میں ہے:

يكره للمرأة سؤر الرجل وسؤرها له . (رد على هامش الدر: ۳۰۲/۵) أوَ امرأة ؟ نعم ! يكره سؤرها للرجل كعكسه للاستلذاذ ، و استعمال ريق الغير وهو لا يجوز، مجتبیٰ. (رد على هامش الدر: ۱۶۳/۱) (قوله : نعم يكره سؤرها إلخ) أي في الشرب لا في الطهارة ، بحر . قال الرملي : ويجب تقييده بغير الزوجة والمحارم .(شامي: ۱۶۳/۱)

مخطوبہ کو دیکھنے کی شریعت نے جو اجازت دی ہے وہ بھی ضرورت کی وجہ سے خلافِ قیاس ہے، جو اپنی حد تک محدود رہے گی ؛ اسی لیے اگر ایک مرتبہ دیکھ چکا ہے تو دوسری مرتبہ حرام ہے۔

وتقييد الاستثناء بما كان لحاجة أنه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد ؛ لأنه أبيح لضرورة فيتقيد بها .(شامي: ۲۶۲/۵)

سوال میں مذکور اندیشہ کی وجہ سے ممنوعِ شرعی کا ارتکاب جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ، اس کا آسان علاج یہ ہے کہ عقدِ نکاح کرلیا جائے ؛ چاہے رخصتی نہ ہو، اس صورت میں اختیار بھی لڑکے کے ہاتھ میں رہے گا اور خط وکتابت بھی جائز؛ بلکہ مستحسن ہوجاوے گی۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۵۴/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بغیر نکاح کے لڑکی کو سسرال نہیں بھیج سکتے

سوال : میری لڑکی کی شادی کے سلسلے میں لیسٹر کے لڑکے کے ساتھ بات چیت طے ہوئی ہے، اصلاً وہ یہاں کے وطنی ہیں، ابھی رشتہ طے نہیں ہوا ہے، بات ہونے کے ابھی پانچ مہینے ہوئے ہیں، اب وہ لوگ لڑکی کو لیسٹر بلا رہے ہیں اور وہیں

نکاح کرنا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ لیسٹر میں لڑکی کے محرم نہیں ہے تو اب کس کے وہاں بھیجیں؟ ابھی شادی نہیں ہوئی ہے، کیا اس صورت میں لڑکی کو ہونے والے سسرال میں بھیجا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

بغیر نکاح کے سسرال نہیں بھیج سکتے۔ (محمود الفتاوی گجراتی: ۲/ ۱۱۰) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

ماموں، خالہ، پھوپھی کی اولاد سے نکاح معیوب سمجھنا

سوال: ہمارے یہاں سماج میں نکاح کے سلسلے میں یہ غلط فہمی ہے کہ حقیقی ماموں، حقیقی خالہ اور حقیقی پھوپھی کی اولاد سے نکاح کرنے کو عیب سمجھتے ہیں؛ لہٰذا اس سلسلے میں چند سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں:

(الف) اس طرح؛ یعنی حقیقی ماموں، خالہ اور پھوپھی کی اولاد سے نکاح کرنا شرعاً کیسا ہے؟ آیا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر جائز ہے تو اس کو معیوب سمجھنا کیسا ہے؟

(ج) اگر کسی آدمی نے سماج کے خلاف اس طرح نکاح کرلیا تو اس پر طعنہ زنی کرنا اور اس کو برا سمجھنا کیسا ہے؟

(د) اور طعنہ زنی کرنے والے کی مدد کرنا اور اس کا ساتھ دینا کیسا ہے؟

(ھ) اس کا سماج سے بائیکاٹ، قطع تعلق اور مارنے کی دھمکیاں دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف) حقیقی ماموں، خالہ اور پھوپھی کی اولاد سے نکاح کرنا شرعاً درست اور

حلال ہے؛ بشرطیکہ اور کوئی رشتۂ حرمت دونوں کے درمیان موجود نہ ہو، سورۂ نساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''محرمات'' کو بیان فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ﴾ یعنی جو محرمات اب تک مذکور ہوئیں ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، اس کی مثال دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

مثلاً: چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں زاد بہن ،الخ۔ (معارف القرآن: ۲/ ۳۲۴)

سورۂ احزاب میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَکَ اَزۡوَاجَکَ الّٰتِیۡۤ اٰتَیۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتۡ یَمِیۡنُکَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیۡکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیۡ هَاجَرۡنَ مَعَکَ﴾ (الأحزاب: ۵۰)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقم طراز ہیں کہ:

مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں اور خالہ کی لڑکیاں حلال کردی گئیں، چچا، پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں، خالہ میں ماں کے خاندان کے سب لڑکیاں شامل ہیں اور ان سے نکاح کا حلال ہونا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے۔ (معارف القرآن: ۷/ ۱۸۸)

''احکام القرآن للتھانوی'' میں ہے:

أحلت له بنات أعمامه وبنات عماته وبنات أخواله وبنات خالاته ولٰكن لا مطلقا؛ بل اللآئي هاجرن معه ﷺ خاصة ومن لم تهاجر منهن

فلا تحل للنبي وهو وجه اختصاص هذا الحكم بالنبي ﷺ ؛ وإلا فحلتهن على العموم والإطلاق حكم عام شامل لسائر المسلمين.(أحكام القرآن: ٣/٣٨٦)

ترجمہ: آں حضرت ﷺ کے لیے اپنے چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں حلال کردی گئیں؛ لیکن علی الاطلاق نہیں؛ بلکہ وہی جنھوں نے آں حضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت میں حصہ لیا، اوران میں سے جنھوں نے ہجرت نہیں کی وہ آں حضرت ﷺ کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور آں حضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اس حکم کے مخصوص ہونے کی یہی علت اور وجہ ہے؛ ورنہ ان (چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں) کا علی الاطلاق حلال ہونا تو ایک ایسا حکم ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

خود نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا؛ بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آں حضرت ﷺ سے کر دیا، ارشادِ خداوندی: ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ کی تفسیر میں بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں؛ چناں چہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے سامنے یہ بات فخریہ فرماتی تھیں کہ تمھارا نکاح تو تمھارے والدین (یا دیگر اعزہ) نے کیا اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔

روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

أي جعلناها زوجة لك بلا واسطة عقد إصالة أو وكالة، فقد صح من حديث البخاري و الترمذي أنها رضي الله عنها كانت تفخر على أزواج النبي ﷺ تقول: زَوَّجَكُنَّ أهاليكنّ و زَوَّجَنِيَ اللّٰهُ تعالىٰ من فوق سبع سمٰوٰت. (٢٢-٢٦)

زمانۂ جاہلیت میں ایک رسمِ بد اور خیالِ باطل یہ تھا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام ہے، اس رسمِ بد کو توڑنے اور خیالِ باطل کی تردید کے لیے قدرت کی طرف سے یہ انتظام عمل میں آیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا (جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ تھیں ان) سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح خود باری تعالیٰ نے کر دیا، اور شاید اس طرح مستقبل میں امتِ مسلمہ میں پھیلنے والے خیالِ باطل کی تردید اور رسمِ بد کو بھی خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے توڑنا مقصود ہو۔

(ب تا ھ) اسلام میں اس کا جائز اور حلال ہونا؛ بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک اس کے مطابق ہونا اوپر کے جواب سے معلوم ہو گیا، اس کے بعد بھی اس کو معیوب سمجھنا دراصل ہندوانہ رسم اور خیالِ باطل ہے، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ: ''ہندوستان کی بعض اقوام نے قبولِ اسلام کے بعد بھی اپنی خاندانی گذشتہ رسوم کو جہالت کی بنا پر باقی رکھا، ان میں سے یہ بھی ایک چیز ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/ ۲۳۰)

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض لوگ نکاحِ ثانی کو عیب اور بے عزتی سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ - جو فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہے اور جس پر اس زمانے کے اکابر علما کی تصدیقات ہیں - نقل کرتا ہوں:

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نکاحِ ثانی کو - باوجود علم اس امر کے کہ یہ قرآن شریف سے ثابت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے - عیب اور بے عزتی سمجھتا ہو اور اس کے کرنے والے کو بے عزتی اور کمینہ کہتا ہو یا یوں کہتا ہو کہ: ہم اس کو حق جانتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سمجھتے ہیں؛ مگر چوں کہ ہماری قوم میں اس کا رواج نہیں، اس واسطے ہم اس کو عار و ننگ جانتے

ہیں، اب ان دونوں صورتوں میں شرع شریف سے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ اس شخص کے ساتھ معاملہ، رشتے ناتے کا کرنا یا شادی غمی میں اس کی شامل ہونا یا اس کے جنازے کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا!

الجواب: حکمِ حق تعالیٰ یا کسی طریقۂ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عیب یا موجبِ بےعزتی کا جانے یا اس کے کرنے والے کو بےعزت کہے لاریب! وہ ملعون کافر ہے اور مخالف حق تعالیٰ کا اور جہنمی ہے اور مرتد ہے اور باوجود اعتراف اس امر کے کہ یہ حکم خدا تعالیٰ کا اور سنت ہے اور پھر بھی اس کو اپنے رواج کے سبب ننگ وعار کا باعث جانتا ہے یہ زیادہ تر موجب اس کے کفر اور مخالف حق تعالیٰ کا ہے کہ وہ شقی، ملعون اپنے رواجِ کفر کو حق تعالیٰ کے حکم سے اچھا جانتا ہے، پس ایسے شخص سے ترکِ ملاقات ومعاملات کرنا عین دین ہے اور اس سے رشتہ وقرابت رکھنا ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ اس سے علیٰحدہ ہوجائے اور اس کو مبغوض ترین خلق اللہ کا جان کر اس کا دشمن ہوجائے اور اور اس کے جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھے کہ وہ کافر ہے؛ کذا في کتب الحدیث والفقہ والعقائد.

(فتاویٰ رشیدیہ قدیم: ۳/ ۷، اور جدید مکمل مبوب: ۷۹) (محمود الفتاویٰ اردو: ۵/ ۳۲۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

لَو میرج اور اس سے متعلق مسائل

لَو سے نکاح

سوال: آج کا دور جسے نیا اور ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے، آج کے لڑکے لڑکیاں شادی کے سلسلے میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرنے یا اُن کی پسند معلوم کرنے کو قدامت سمجھنے لگے ہیں اور شریکِ حیات کا انتخاب خود ہی کرنے لگے ہیں اور اُس کے لیے پیار، محبت، خفیہ تعلُّقات، خط و کتابت وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے، تو کیا اس طرح انتخاب کرنا اور والدین کو نظر انداز کر دینا صحیح ہے؟

بہت سے نوجوان بھائی بہن یہ کہتے ہیں کہ: زندگی ہمیں گزارنی ہے، اِس میں بڑوں کی دَخل اندازی کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ بعض مقامات پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہت سے والدین -جو خود کو ماڈرن کہلواتے ہیں- اپنے لڑکے، لڑکی کو رشتہ پسند کرنے کے معاملے میں آزادی دے دیتے ہیں اور اِس میں خاص طور پر لَو (Love) وغیرہ تدبیریں اپنانے کے معاملے میں چشم پوشی بھی کرتے ہیں، اِس سلسلے میں رہنمائی فرمائیے گا؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات کی تخلیق فرما کر انسان کو یہاں بسایا اور خدائی فیصلہ ہے کہ تا قیامِ قیامت یہ انسانی مخلوق دنیا میں آباد رہے اور اُس کے لیے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے۔

دیگر مخلوقات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ اُسے اپنی زندگی گزارنے کے معاملے میں آزاد و مختار نہیں چھوڑا؛ بلکہ ایک قانون

بہ شکلِ شریعت نازل فرما کر اسے اُس کا پابند بنایا ہے۔

اسی وجہ سے اپنے جنسی جذبات وخواہشات کی تکمیل کے لیے بھی اُسے دوسرے جانوروں کی طرح اپنی مرضی ومنشا کے مطابق معاملہ کرنے کی اجازت نہیں؛ بلکہ ایک مکمل معاشرتی ڈھانچہ قائم فرمایا اور اسی معاشرتی ڈھانچے کے ایک جزو کے طور پر نکاح سے متعلق جملہ پہلوؤں پر مشتمل ومحیط احکامات دیے، اُس میں ایک شعبہ حقوق کا بھی رکھا ہے، اس میں والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، دوسرے رشتے داروں (دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن وغیرہ) کے حقوق، اور پڑوسیوں کے حقوق وغیرہ وغیرہ ہیں اور ہر ایک پر دوسروں کے جو حقوق ہیں اُن کی ادائیگی سے بھی انھیں واقف کیا، یہاں تک کہ اگر ایک فریق نے دوسرے فریق کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو، بالکل ادا ہی نہ کیے ہوں تب بھی دوسرے فریق کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ فریقِ اول کی حق تلفی کرے۔

اور فطری طور پر باہم جذبات ومحبت کے وہ تعلق پیدا فرما دیے کہ خود بہ خود ہی وہ بھی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے آمادہ ہو جائے، مثلاً: ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی، اور اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی ایسی محبت، لاڈ پیار بھر دیا کہ دونوں فطرۃً ہی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہیں، اور پھر شرعی احکامات کے ذریعے اس ادائیگی کو مزید تقویت پہنچائی۔

قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے ساتھ ہی والدین کے حقوق کو ذکر فرمایا، جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات وانعامات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں؛

لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اُس کے والدین کے ہیں؛ کیوں کہ عام اسباب میں وہی اُس کے وجود کا سبب ہیں اور آفرینش سے لے کر اُس کے جوان ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں اُن سب میں بہ ظاہر اسباب ماں باپ ہی اُس کے وجود اور پھر اس کے بقا وارتقا کے ضامن ہیں۔ (معارف القرآن: ۲/ ۴۰۹)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں جس طرح والدین کی اطاعت اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکیدات وارد ہیں، اِسی طرح اُس کے بے انتہا فضائل اور درجاتِ ثواب بھی مذکور ہیں۔ (معارف القرآن: ۲/ ۴۱۰)

نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں؛ بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات، معاشرے میں اُن کی عزت ووقار، اولاد کی کفالت وتربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلے سے جتنے لوگ بھی متأثر ہوتے ہوں، فیصلہ کرتے وقت اُن سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ (بینات، صفر ۱۴۲۱ھ، ص: ۱۰)

نکاح کے نتیجے کے طور پر شوہر کے ماں باپ وغیرہ بیوی کے لیے اور بیوی کے ماں باپ شوہر کے لیے کیا اجنبی ہی رہتے ہیں؟ خود اسلام نے بھی زوجین میں سے ہر ایک کے اصول (ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ) اور فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ) کو دوسرے کے لیے اصول وفروع شمار کیے ہیں اور اسی لیے اُن سے نکاح حرام قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے خاندان کا فرد بن جاتے ہیں، تو کیا لڑکا اور لڑکی نکاح کے ذریعے سے جس شخص کو اپنے خاندان کی فردیت

دِلا رہے ہیں اُس شخص کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کا خاندان کے بڑوں کو حق نہ ہونا چاہیے؟

آج کل نوجوانوں میں یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ نکاح دو شخصیتوں کا ذاتی معاملہ ہے، اُس میں بڑوں کو سر مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ چاہے ہمارے معاشرے کے لیے نئی سمجھی جائے؛ لیکن مغربی ممالک میں یہ سوچ بہت پہلے عام ہوچکی ہے اور وہاں کے بڑوں نے نوجوانوں کے اس خیال کے سامنے ہتھیار ڈال کر اُن کو اس معاملے میں کھلی چھوٹ اور آزادی دے دی، اس کا انجام کیا ہوا؟ اس عنوان پر بحث کرتے ہوئے علامہ زاہدالراشدی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

ویسٹرن سویلائزیشن نے اسی مقام پر دھوکا کھایا ہے کہ مغربی دانشوروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پُرفریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو اَفراد کا معاملہ قرار دے کر اُس کے باقی لوازمات ونتائج کو نظرانداز کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدُّس سے محروم ہوچکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم اَنارَکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے، جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانش وروں کی زبانوں پر انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اس سلسلے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خاتونِ اول مس ہلیری بِل کنٹن کے دورۂ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ:

امریکی خاتونِ اول مس ہلیری کلٹن اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھُل مل گئیں اور اُن سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی، ہلیری کلنٹن نے طالبات سے اُن کے مسائل دریافت کیے، طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی

اہلیہ کو سب مسائل بتائے، فورتھ ائیر (fourth year) کی طالبہ نائل خالد نے امریکی خاتونِ اول سے پوچھا کہ: امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟

اس پر امریکہ کی خاتونِ اول نے کھل کر گفتگو شروع کی، انھوں نے کہا کہ: پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے، تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے؛ مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں، اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمے داری نبھاتی ہے۔

ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ: اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس پر ہلیری کلنٹن نے کہا کہ: اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو- خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان- اپنے مذہب اور معاشرتی اَقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہیے، مذہبی وسماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہیے، اپنی اور اپنے والدین کی عزت وآبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہیے۔ مس ہلیری کلنٹن نے کہا کہ: وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ: پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے؛ اس لیے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں۔ (جنگ لاہور: ۲۸، مارچ ۱۹۹۵ء)

...... یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہوگی کہ مغرب جس دَلدَل سے واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے ہم آزادی اور حقوق کے نام نہاد مغربی فلسفے کی پیروی کے شوق میں قوم کو اُسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کر دیں۔ (بینات، صفر ۱۴۱۷ھ ص: ۱۰-۱۱)

حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ: نیک بخت ہے وہ جو دوسروں کو

دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

ہمارے نوجوانوں نے شادی کے معاملے میں مذہب و معاشرے کی دخل اندازی ختم کرنے کے لیے نعرہ لگایا کہ: ''شادی ہمارا ذاتی معاملہ ہے'' ایسا کہنے سے پہلے مغربی تہذیب کے افسوس ناک انجام کی طرف نظر کر لینی چاہیے۔

شریکِ حیات کے انتخاب کے لیے لَو (Love)، خفیہ تعلقات اور خفیہ خط و کتابت کا سہارا لینے کی اسلام کیوں کر اجازت دے سکتا ہے؟ جب کہ اجنبیہ کے ساتھ اس نوع کے تعلقات کو زنا قرار دیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے: آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نامحرم کو دیکھنا ہے، کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا نامحرم کی باتیں سننا ہے، زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا نامحرم سے باتیں کرنا ہے، ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا نامحرم کو چھونا ہے، پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا نامحرم کی طرف چل کر جانا ہے۔ (مسلم شریف)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

جو شخص کسی عورت کے محاسن پر شہوت سے نظر ڈالے تو اس کی دونوں آنکھوں میں قیامت کے دن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (الزواجر، حجاب: ۹۰)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ: خوب سمجھ لو! کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اُس شخص پر جو نامحرموں کو دیکھے اور اس پر بھی جو نامحرموں کے سامنے اپنی نمائش کرے۔ (مشکوٰۃ: ۲۷۰، حجاب: ۹۲)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: کوئی مرد جب کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں اُن دونوں کے علاوہ تیسرا فرد شیطان بھی ہوتا ہے۔ (حجاب: ۹۴)

حضورِ اکرم ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: میں جب بلوغت کی حد کو پہنچا تو میں نے صبح حاضرِ خدمت ہو کر اس کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اب تم گھر میں عورتوں کے پاس نہ جانا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ نیک اور پاک باز لڑکا کون ہو سکتا ہے؟ اور ازواجِ مطہرات دنیا کی مقدس ترین اور افضل ترین عورتیں ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے خادمِ خاص پر پابندی عائد کر دی اور پردے کا حکم فرمایا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۹۶/۴)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا: شیر اور سانپ کے پیچھے چلے جانا، نامحرم عورت کے پیچھے کبھی نہ جانا (کہ یہ فتنے میں ملوث کرنے میں شیر اور سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے)۔ (احیاء العلوم، فتاویٰ رحیمیہ: ۹۷/۴)

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ: زنا کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نامحرم کو دیکھنے اور حرص کرنے سے۔

اور حضرت فضیلؒ کا قول ہے کہ: ابلیس کہتا ہے کہ: نظر (نامحرم کو دیکھنا) میرا وہ پُرانا تیر ہے کہ میں کبھی اس سے خطا نہیں کرتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۹۸/۴)

والدین کی طرف سے اپنے لڑکوں، لڑکیوں کو مذکورہ بالا آزادی دینا درحقیقت اُن کی زندگی کو بربادی کی طرف دھکیلنے کی اجازت کے مرادف ہے۔ عورت جب تک مردوں سے چھپی ہوئی ہے تب تک اُس کا دین محفوظ ہے؛ اس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ: عورت کے لیے سب سے بڑی خوبی کی بات کیا ہے؟ عرض کیا: وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اُس کو دیکھے۔ آپ ﷺ کو یہ جواب بہت پسند آیا اور اُن کو اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ: اولاد ایک ایک سے

ہے (یعنی باپ کا اثر اولاد میں بھی آتا ہے)۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم دیواروں کے سوراخ اور شگاف بند کر دیا کرتے تھے؛ تاکہ عورتیں مَردوں کو نہ جھانکیں۔ (بحوالہ مجالس الابرار، فتاویٰ رحیمیہ: ۴/۱۰۰)

جو شخص اس بات کی پرواہ نہ رکھتا ہو کہ اُس کے گھر کی عورتوں (بیوی، بیٹی، بہن وغیرہ) کے پاس کون آمد ورفت کرتا ہے؟ اسے حدیث میں ''دیوث'' کہا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تین انسان کبھی جنت میں نہیں جائیں گے: (۱) دیوث (۲) مردوں جیسی شکل بنانے والی عورتیں اور (۳) ہمیشہ شراب پینے والا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: دیوث کون ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جسے اس بات کی پرواہ نہ ہو کہ اس کے گھر کی عورتوں کے پاس کون آمد ورفت رکھتا ہے۔ (طبرانی، احکامِ پردہ: ۲۱-۲۲، فتاویٰ رحمیہ: ۴/۱۰۲)

منطقی اعتبار سے دیکھیں تو بھی پیار، محبت اور لَوْ (Love) کے ذریعے شریکِ حیات کا انتخاب ایک خطرناک قدم ہے؛ کیوں کہ کسی شخص کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان غصہ، نفرت اور پیار ومحبت دونوں طرح کے جذبات سے دور رہ کر منصف مزاجی سے غور کرے تو ہی صحیح فیصلہ کرسکتا ہے، پیار اور محبت میں پھنسنے کے بعد تو وہ اندھا بہرا بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حبك الشيء يعمي ويصم .

ترجمہ: کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ (المقاصد الحسنة: ۱۸۱)

عربی کا ایک شعر ہے:

عين الرضا عن كل عيب كليلة	ولكن عين السخط تبدي المساويا

یعنی پیار کی نظر ہر عیب کو دیکھنے سے قاصر ہے اور نفرت کی نگاہ (خیالی) برائیاں بھی ڈھونڈ نکالتی ہے۔

اسی وجہ سے تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ: پیار والے نکاح عموماً ناکام ہوتے ہیں؛ کیوں کہ پیار اور محبت کے جوش میں سوچے سمجھے بغیر ہی شادی کرلی جاتی ہے اور پھر جب حقیقت آشکارا ہوتی ہے تب آنکھیں کھلتی ہیں اور ردِّ عمل کے طور پر وہ پیار مکمل نفرت میں تبدیل ہوجاتا ہے اور اگر کوئی بڑا اس جوڑے کو سمجھانے سنبھالنے والا نہ ہو تو آخرکار جدائی کی نوبت آجاتی ہے؛ لہٰذا نوجوان لڑکوں، لڑکیوں اور ماڈرن کہلوانے والے والدین کو بھی چاہیے کہ اس خلافِ شرع و عقل طریقے کو چھوڑ دیں۔

البتہ اتنا ضروری ہے کہ رشتہ جوڑنے سے قبل لڑکے اور لڑکی کے متعلق مکمل تحقیق کرلی جائے، جس میں اُس کی عادات واخلاق، دین داری اور ساتھ ساتھ اس میں کوئی جسمانی عیب ونقص تو نہیں، یہ دیکھ لیا جائے اور ایک دوسرے کو دیکھ لیں (اس طرح کہ صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں) یہ بھی بہتر ہے؛ تاکہ بعد میں محض ناپسندیدگی کے باعث تفریق کی نوبت نہ آئے۔

سابق میں ہم جو بحث کرکے آئے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہ نکالا جائے کہ عورت میں رنگ، رُوپ، خوب صورتی اور خاندان بالکل نہ دیکھا جائے، اوپر کی بحث کا حاصل صرف اتنا ہے کہ تمام امور کے مقابلے میں دین داری کو ترجیح دی جائے اور باوجود اس کے کہ کوئی عورت بے دین، بداخلاق ہو، محض اُس کی خوب صورتی کے پیشِ نظر اُس کا انتخاب نہ کیا جائے، باقی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خوب صورتی اور خاندان بھی نکاح کے لیے انتخاب میں اہم رول ادا کرتے ہیں؛ بلکہ احادیث سے بھی

اس کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ جب تک شوہر اپنی بیوی سے مکمل طور پر سیراب نہ ہو تب تک پاک دامنی، غضِ بصر اور پاک بازی (جو اہم مقاصدِ نکاح میں سے ہیں) حاصل نہ ہوگی۔ (تکملہ فتح الملہم: ١/١٠٩) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

چھپے طور پر کیے ہوئے نکاحِ فاسد کا حکم

سوال: مجھ میں شہوت کا غلبہ بہت زیادہ ہے؛ بایں وجہ میری عادت بچپن سے ہی خراب ہے، ابھی میری عمر ٢١/سال کی ہے، جب میں ١٦/سال کا تھا تب مجھ سے میری پھوپھی زاد بہن سے زنا ہوگیا تھا، اس کے بعد میں جماعت میں گیا تب مجھے اس گناہ کا احساس ہوا، میں نے اس گناہ سے توبہ کرلی۔

اس کے بعد چار پانچ سال بعد پھر سے جب وہ لڑکی میرے گھر آئی، تب اس نے مجھ سے پھر زنا کی خواہش ظاہر کی، میں اپنی بری عادت کے باعث بچ نہیں سکتا تھا: چناں چہ میں نے اس کے ساتھ خفیہ نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، وہ تیار ہوگئی، ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر نکاح کرلیا۔

اس کی عمر فقط ١٢/سال کی ہے؛ بایں وجہ کھلے طور پر نکاح کی اجازت نہیں مل سکتی؛ لہٰذا میں نے سوچا کہ جب اس کے نکاح دوسری جگہ طے ہوں گے تو میں اس کو طلاق دے دوں گا؛ مگر اس میں عدت کا مسئلہ پیدا ہوگا؛ اس لیے میں نے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی، ہاں! البتہ ایک دو مرتبہ اس کے بدن کو چھویا ہے، کیا اس طرح کیے ہوئے نکاح شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ کیا اس طرح طلاق دینے سے عدت گذارنی پڑے گی؟ یا نہیں؟ اور آئندہ مجھ کو کیا کرنا ہے؟ ہمارے اس نکاح کو ہم دو اور اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

کسی بھی نکاح کے درست ہونے کے لیے جو شرطیں ضروری قرار دی گئی ہیں اس کے من جملہ ایک یہ بھی ہے کہ اس میں گواہ بنائے گئے ہوں، گواہی کے لیے دو عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان مرد، یا ایک عاقل، بالغ، آزاد مسلمان مرد اور دو عاقل، بالغ، آزاد عورتوں کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ دونوں گواہ نکاح کے ایجاب وقبول کو ایک ساتھ سنیں۔ (فتاویٰ عالم گیری: ١/ ٢٦٧-٢٦٨)

نکاح کے درست ہونے کی شرطوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نکاح کرنے والی عورت کے بالغ ہونے کی صورت میں اس کی رضامندی ہو، اگر بغیر گواہ کے نکاح کیا جاوے تو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے اور اس نکاح میں ضروری ہوتا ہے کہ قاضی (اسلامی جج) دونوں میں جدائی کرادے یا پھر نکاح کرنے والا مرد اس کو چھوڑ دے، مثلاً: اس کو یوں کہہ دے کہ: میں نے تجھ کو علیٰحدہ کر دیا، چھوڑ دیا، یا پھر یوں کہے کہ: تو چلی جا، اور دوسرا نکاح کر لے، اس طرح کہنے سے وہ نکاح ختم ہو جائے گا۔

صورتِ مسئولہ میں آپ پر ضروری ہے کہ آپ فوراً اس کو چھوڑ کر علیٰحدگی اختیار کر لیں، اس کے ساتھ صحبت نہیں کی؛ لہٰذا آپ کے اس کو علیٰحدہ کرنے کے بعد اس کے لیے دوسرے مرد کے ساتھ بلا عدت نکاح درست ہے، اگر ہم بستری کی ہوگی تو بطورِ عدت تین حیض گذارنا ضروری ہوگا، اگر حیض آنا شروع نہ ہوا ہو تو تین مہینے بطورِ عدت پورے کرنے ہوں گے، اس کے بعد اس کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ درست ہوگا۔ (درِ مختار، شامی: ٢/ ٦٥٠-٦٥١)

بہرحال! آپ کا اس طرح اس کے ساتھ بغیر گواہ کے چھپے طور پر نکاح کرنا

شرعی اعتبار سے سخت گناہ کا کام ہے اور اس طرح نکاح کرنے سے وہ آپ کے لیے حلال نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا آپ پر ضروری ہے کہ جلد از جلد اس سے تعلق ختم کر کے الگ ہو جائیں اور اپنی اس شنیع (بُری) حرکت سے سچے دل سے توبہ کریں۔

فتاویٰ عالم گیری میں لکھا ہے کہ: اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور گواہ موجود نہ ہو اور وہ یوں کہے: میں نے اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنایا تو وہ انسان کافر ہو گیا۔ (عالمگیری: ۲/۲۶۶)؛ لہٰذا آپ دونوں پر ضروری ہے کہ توبہ کر کے ازسرِ نو کلمہ بھی پڑھ لیں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/۲۱۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کیا عورت چھپے طریقے سے نکاح کر سکتی ہے؟

سوال: میں ایک مسلمان عورت ہوں، مجھ کو ایک مسلمان مرد کے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور میں نے اس سے یوں کہہ کر وعدہ کر لیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر خیال کر کے کہتی ہوں کہ: میں تمھارے ساتھ ہی نکاح کروں گی، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ: مجھ کو اس کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو میری والدہ نے منع کر دیا، اب میں دونوں طرف سے سوچ میں پڑ گئی ہوں، ایک طرف وعدہ ہے تو دوسری طرف والدہ منع کر رہی ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے اللہ سے بہت ڈر لگتا ہے، آخرت میں میرا کیا ہوگا؟ مجھ کو دل سے محبت ہے؛ اس لیے ایک دم سے چھوڑ بھی نہیں سکتی اور میں پختہ عمر کی بھی ہوں، سامنے والے کا کہنا ہے کہ: تیرے گھر والے تجھ کو روک رہے ہیں تو تو مجھ سے چھپے طور پر نکاح کر لے، اگر اللہ کو منظور ہوگا تو ہم دنیا میں ملیں گے؛ ورنہ آخرت میں، تو کیا مجھے نکاح کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر نکاح نہ کروں تو وعدہ کی وجہ سے گنہگار تو نہیں ہوں گی؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

شریعتِ اسلام نے ایک مسلمان عورت کے لیے جو حدود متعین کی ہیں اس لحاظ سے عورت پر ضروری ہے کہ اجنبی مرد سے اپنے آپ کو بہت دور رکھے، ان کے سامنے آنے، تنہائی اختیار کرنے اور عشق اور محبت کی باتیں کرنے کو شریعت نے حرام ٹھہرایا ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے سے بچو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو شیطان دونوں کے بیچ بیٹھ جاتا ہے۔ (کنزل العمال:۵/ ۳۲۳)

دوسری ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (کنزالعمال:۷/ ۳۲۳)

ایک روایت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ: اجنبی عورت کے ساتھ بات کرنے سے بچو، اسی طرح حدیث شریف میں (اجنبی مرد کی طرف) دیکھنے کو آنکھ کا زنا، اور اس کے ساتھ (عشق اور محبت) کی باتیں کرنے کو زبان کا زنا کہا گیا ہے۔ بایں وجہ آپ نے ایسی محبت کے جذبات میں آکر جو زبان دی ہے وہ درحقیقت شیطانی حربہ ہے، اس طرح کے زبانی وعدوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نکاح ایک دائمی اور پوری زندگی کا تعلق اور رشتہ ہے، اتنا اہم اور بڑا فیصلہ محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں؛ بلکہ انتہائی غور وفکر کے بعد کیا جاتا ہے؛ لہٰذا جب تمھاری والدہ ناراض ہے تو آپ ہرگز ایسا قدم نہ اٹھائیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ: میری

عورت ہے اور میری والدہ مجھے حکم دے رہی ہے کہ اس کو طلاق دے دوں، تو میں کیا کروں؟ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ماں جنت کا سب سے اچھا دروازہ ہے؛ لہٰذا اگر تو چاہے تو اس کو سنبھال کے رکھ، یا پھر برباد کردے۔ (مشکوٰۃ: ۱/۴۱۹-۴۲۰)

جہاں تک بات باطنی؛ یعنی چھپے طور پر نکاح کرنے کی ہے تو وہ ظاہری اور علانیہ نکاح کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہے جس میں آخرت کے ساتھ دنیا بھی برباد ہونے کا قوی خطرہ ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/۲۱۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

غیر کفو میں نکاح

(سوال): زید اکیس سال کا ہے، اس نے پڑوسی کی لڑکی سے پیار کیا اور اس کے والدین سے نکاح کی درخواست کی، لڑکی کے والد نے رشتہ نامنظور کرتے ہوئے لڑکی کی منگنی کہیں اور کردی، لڑکا، لڑکی گھر سے فرار ہوجاتے ہیں اور لڑکے نے اپنے چند دوستوں کی مدد سے شرعی نکاح کیا، لڑکی نے اپنی عمر کے لیے کورٹ کا تصدیق نامہ پیش کیا اور بتایا کہ: وہ ۱۹/سال کی ہے، نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اگر لڑکا کفو نہیں ہے تو ولی کی رضامندی کے بغیر یہ نکاح (مفتیٰ بہ قول کی بنا پر) درست نہیں ہوگا۔

ویفتی في غیر الکفو بعدم جوازہ أصلًا، وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان. (درِ مختار) ھٰذا إذا کان لھا ولي لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا

بعده.(بحر) وأما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح، نافذ، مطلقا اتفاقا. (درِمختار شامی:۲/ ۳۲۲-۳۲۳،محمود الفتاویٰ اردو:۴/ ۳۹۵)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کتابیہ سے نکاح

سوال: اہلِ کتاب (یہودی اور عیسائی) کی لڑکی کے ساتھ مسلمان کا نکاح کرنا؛ چاہے (بغیر مسلمان بنائے ہوئے) تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اہلِ کتاب عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے:

(الف) وہ عام اقوامِ یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لا مذہب و دہریہ نہ ہو؛ بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم ازکم مانتی ہو؛ اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔

(ب) وہ اصل سے ہی یہودیہ یا نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہوکر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہوجاتا ہے؛ لیکن بلاضرورتِ شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے؛ اسی لیے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح سے منع فرمادیا تھا، جب عہدِ فاروقی میں- کہ زمانۂ خیر تھا- ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں؛ بالخصوص موجودہ اقوامِ یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقاتِ ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین اور دنیا کو تباہ کردینے والے ہیں۔ (الحیلۃ الناجزہ:۲۰۶)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

والدین کی ناراضگی کے باوجود غیر مسلم لڑکی کے سے نکاح کرنا؟

سوال: اگر کسی غیر مسلم لڑکی کو مسلمان لڑکے کے ساتھ عشق و محبت ہوگئی ہو اور وہ مسلمان بننے پر بھی رضامند ہو؛ لیکن لڑکے کی والدہ اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند نہ ہو تو ماں کی اطاعت کرے، یا پھر لڑکی کو مسلمان بنا کر اس سے نکاح کرلے؟ ایک طرف ماں کا رتبہ ہے، دوسری طرف لڑکی کے اسلام کا مسئلہ ہے؛ لہٰذا ایسی صورتِ حال میں کیا کرنا ہے؟ لڑکی سے عشق و محبت میں گناہ کا ارتکاب بھی کیا ہے، کیا اب اس لڑکی سے شادی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

حدیث شریف میں ہے: ایک شخص نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میری عورت ہے اور میری والدہ مجھ کو کہتی ہے کہ: اس کو طلاق دے دے تو میں کیا کروں؟ تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ماں جنت کے دروازوں میں سے ایک اچھا دروازہ ہے، اب اگر تو چاہے تو اس کو سنبھالے رکھ؛ ورنہ توڑ دے۔ (مشکوٰۃ:۴۱۹-۴۲۰)

لہٰذا آپ کو چاہیے کہ والدہ کو ناراض کرنے سے بچیں، اب رہا اس لڑکی کے مسلمان ہونے کا سوال تو اگر اس کو اسلام مذہب سے محبت ہے اور اسلام کا سچا مذہب ہونا اس کے سامنے ظاہر ہو چکا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اسلام مذہب کو اپنا لے، اس کے لیے اولاً آپ کے اس کے ساتھ نکاح کرنے کی شرط کیوں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس کو اسلام سے محبت نہیں؛ بلکہ فقط آپ سے نکاح کا ارادہ ہے اور وہ اسلام مذہب کو اپنائے بغیر پورا نہیں ہوسکتا؛ اسی لیے وہ اسلام لانے کی تیاری بتا رہی ہے اور اسی لیے

پہلی شرط نکاح کی لگائی جارہی ہے۔(محمود الفتاویٰ:۲/۷ ۱۲)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

مصنوعی نکاح

سوال: ویزا میں آسانی کے لیے مصنوعی نکاح کیا جاتا ہے، مثلاً نکاح کے سرٹیفکٹ پر، یا کسی چھوٹے دیہات میں جاکر جماعت (برادری) کا نکاح سرٹیفکٹ لاکراس پرلڑکے،لڑکی کی دستخطیں لی جاتی ہیں، نیز گواہوں اورنکاح پڑھانے والے کی جعلی دستخط وغیرہ کرائی جاتی ہے،تواس کا کیاحکم ہے؟

نیز سِوِل میرتج کروانا اوراسے عارضی نکاح سمجھنا اورویزانہ ملنے پر بیرون سے آئے ہوئے شخص کا واپس چلے جانا اورنکاح کے متعلق وضاحت نہ ہونا وغیرہ۔کیا اس طرح مصنوعی نکاح یاسِوِل میرتج کرواناشرعاًدرست ہے؟اِس کا کیاحکم ہے؟

بعض جگہوں پرنہ بناوٹی نکاح کیا جاتا ہے، نہ سول میرتج؛ بلکہ ہونے والے شوہر کے نام سےلڑکی کا پاسپورٹ بنواکرویزا کی کارروائی شروع کردی جاتی ہے، اِس کا کیاحکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

جعلی نکاح میں اگرایک ہی مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں لڑکےاورلڑکی سے ایجاب وقبول کے الفاظ (مثلاً لڑکی کہے: میں نے اپنی ذات فلاں کےنکاح میں دی اورلڑکا کہے: میں نے اپنے نکاح میں قبول کی) کہلوائے گئے ہیں تو حقیقتاً نکاح ہوگیا اوردونوں ایک دوسرے کےمیاں بیوی بن گئے،اب جب تک وہ لڑکاطلاق نہ دے یا کسی ایک کاانتقال نہ ہو،تب تک نکاح باقی سمجھا جائے گا۔

اوراگرمذکورہ بالاطریقے سے ایک مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب

وقبول کے الفاظ نہ کہلوائے گئے ہوں، صرف نکاح کے سرٹیفکٹ پر اُن کی اور گواہوں وغیرہ کی جعلی دستخطیں ہی کروائی گئی ہوں تو ایسا کرنے سے نکاح تو نہیں ہوتا؛ لیکن ایسا کرنا بوجہ فریب اور جھوٹی کارروائی ہونے کے ناجائز اور حرام کہا جائے گا، اس سے بچنا ضروری ہے۔

سِول میریج میں اگر حسبِ مذکورہ بالا کورٹ میں لڑکا، لڑکی ایجاب وقبول کے الفاظ جج کے سامنے بولتے ہیں اور اس مجلس میں دو مسلمان مرد، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں موجود ہیں جو لڑکے اور لڑکی کے ایجاب وقبول کو سن رہے ہیں تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور دونوں ایک دوسرے کے میاں بیوی شمار ہوں گے، اس صورت میں جب تک لڑکا طلاق نہ دے، یا دونوں میں سے کسی ایک کی موت نہ ہو تب تک نکاح باقی رہے گا؛ لہٰذا بیرون سے آئے ہوئے شخص کا اُس سے متعلق وضاحت کیے بغیر واپس چلا جانا صحیح نہیں، اس کی وجہ سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، مثلاً:

جب تک طلاق نہ دے اور عدت پوری نہ ہوجائے تب تک لڑکی کسی اور کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی اور اگر کرے گی تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ پہلے شوہر ہی کے نکاح میں ہے، جو اولاد ہوگی وہ پہلے شوہر کی شمار ہوگی۔

اسی طرح اگر لڑکے کے طلاق دینے سے پہلے کوئی ایک مرجائے تو زندہ رہنے والے کو مرنے والے کے مال میں بہ حیثیت شوہر یا بیوی حقِ میراث حاصل ہوگا۔

جب تک نکاح نہ ہو دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی ہیں؛ لہٰذا نکاح ہوئے بغیر لڑکی کے پاسپورٹ اور ویزا کی کارروائی ہونے والے شوہر کے نام سے نہیں کرنی چاہیے؛ اگرچہ ایسا کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوجاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح سے پہلے اور نکاح کے وقت پیش آنے والے مسائل

کیا گود لیے ہوئے بچے کو دودھ پلانے سے بچہ عورت کا محرم بن جائے گا؟

سوال: میرے یہاں اولاد نہیں ہے، نکاح کے دس سال ہو چکے ہیں، گھر والے کسی بچے کو گود لینے کی درخواست کر رہے ہیں، میرے بڑے بھائی کے وہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، اسے ہم نے گود لیا ہے، اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ یعنی بچے کے ساتھ میرا نام جوڑنے، میراث اور اہلیہ کو اماں کہنے کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حالاں کہ اس نے دودھ نہیں پلایا؛ اس لیے کہ اب تک کوئی بچہ نہیں ہوا، اگر وہ پستان بچے کو چُسوائے جب کہ دودھ نہ آتا ہو تو کیا حکم ہے؟ بچہ بالغ ہو کر میری اہلیہ کے لیے محرم ہوگا؟ یا غیر محرم؟ یا اور کوئی حل آپ کی نظر میں ہو تو ضرور بتلائیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

گود لینے کا اگر مطلب یہ ہو کہ جس بچے کو گود لیا گیا ہے حقیقی اولاد کی طرح وہ بیٹے والی میراث پائے اور اس کے نام کے ساتھ باپ کے طور پر آپ کا نام لگایا جائے تو اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے، زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا، قرآن نے اس رواج کو ختم کر دیا۔ (سورۂ احزاب)

اور اگر گود لینے کا مطلب یہ ہو کہ اس کو اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کی جائے، اس کے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، رہنے، سہنے، تعلیم وتربیت کا انتظام آپ کریں، اس کو حقیقی بیٹے جیسا پیار ومحبت دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ (کفایت المفتی)

محبت کے طور اس کو ''بیٹا'' کہہ کر بلانا بھی جائز ہے، آپ کی اہلیہ کو وہ اماں بھی کہہ سکتا ہے، جب اہلیہ کو دودھ نہیں آتا تو فقط پستان چُسانے سے وہ رضاعی (دودھ والا) بیٹا نہیں بنے گا، آپ کی اہلیہ کی بہن اگر دودھ پلادے گی تو اہلیہ کا رضاعی بھانجا بن کر محرم کہلائے گا، اہلیہ کی بھاوج دودھ پلائے گی تو رضاعی بھتیجا بھی بن سکتا ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۲۱/۴-۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح لڑکے کے گھر ہو یا لڑکی کے گھر؟

سوال: لڑکا کینیڈا سے آیا ہوا ہے، نکاح لڑکے کے گھر رکھا جائے یا لڑکی کے گھر؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

لڑکے کے گھر بھی نکاح درست ہے، لڑکی کے گھر ہی نکاح کرنا ضروری نہیں ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۱۱۰/۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

دوسرے سماج (برادری) میں نکاح کے لیے لڑکے، لڑکی کو (N.O.C) دینے کا حکم

سوال: بعد سلام عرض کہ ہماری جماعت کا کوئی لڑکا یا لڑکی کسی بھی لڑکے، لڑکی کے ساتھ دونوں خاندانوں کے مربیوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو میرے

ذمّے مسلم گھانچی سماج کے ذمّے دار کی حیثیت سے ان کو اجازت نامہ (N.O.C) دینا ہوتا ہے، تو میں اللہ کا گنہگار تو نہیں بنتا؟ میری اپنی سوچ کے مطابق یہ قابلِ گناہ فعل نہیں ہے؛ مگر چوں کہ عام مسلم سماج اور ان کے ذمّے دار ایسے نکاح کے خلاف ہیں اور (N.O.C) دینے سے منع کرتے ہیں، ان کو آپ کے فتوے سے سمجھانا ہے۔

نوٹ: مسلم سماج میں منگنی اور رشتے کے موقع سے جو (N.O.C) دی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شادی کرنے والے شخص (مرد یا عورت) نے سماج کے متعینہ تمام قوانین کا پاس ولحاظ کیا ہے، ان کے خلاف سماج کا کوئی قرض باقی نہیں ہے، اسی طرح سماج کے کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہے، جیسے کہ اس سے پہلے کسی دوسری جگہ شادی نہیں کی، اسی طرح اس سے قبل رشتہ، شادی وغیرہ نہیں توڑا، خلاصہ یہ کہ سماجی اعتبار سے یہ شخص اچھا ہے، یہ (N.O.C) اس کی سند ہے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

تمام برادریوں اور سماج کے رہنے، سہنے، کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ برتنے کا انداز الگ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے مختلف برادریوں والے لڑکے، لڑکی کے ساتھ رشتۂ نکاح کے قیام کی صورت میں دونوں کی ازدواجی زندگی بغیر چپقلش کے گزرنے میں کافی دشواریوں کا سامنا پڑتا ہے اور کئی مرتبہ اس قسم کے نکاح کامیاب بھی نہیں ہوتے، اس وجہ سے اگر کوئی سماج اپنے ہی سماج میں نکاح کا قانون بناوے تو اس کی گنجائش ہے؛ مگر اس کے باوجود سماج کی اس قسم کی پابندی کی حیثیت ایک قسم کے مشورہ کی ہوتی ہے؛ لہٰذا کوئی بالغ مرد دوسری برادری کی بالغ

لڑکی کے ساتھ نکاح کرلے تو ان کا یہ فعل شرعی اعتبار سے گناہ اور خلافِ شرع شمار نہ ہوگا، اس صورت میں سماج کے ذمّے داروں کا ان کو روکنا درست نہیں ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب لڑکا، لڑکی اپنے خاندان کے بڑے لوگوں کی اجازت سے دوسرے سماج میں نکاح کرتے ہوں تو سماج کے ذمّے داروں کا اس لڑکے، لڑکی کو (N.O.C) دینا ضروری ہے، اگر (N.O.C) نہ دینے کی وجہ سے ان کو سماج کی طرف سے تکلیفیں پہنچنے کا خطرہ ہو تو ذمّے داروں کا یہ فعل ناجائز ہوگا۔

بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے ایک مستقل عنوان لگا کر اس کا جائز ہونا ثابت کیا ہے؛ البتہ غیر قوم میں شادی نہ کرنے کا باعث صرف فخر وتکبر اور اپنی برادری کو دوسری برادری کے مقابلے میں اعلیٰ سمجھنے کی وجہ سے ہو تو ایسی پابندی شرعاً جائز نہیں۔

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۵/ ۱۸) (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۲۵-۱۲۷) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

محرم کے طور پر والد یا ماموں کے ساتھ جانے میں ویزا کی مشکلی ہو تو کیا کرے؟

سوال: محرم کے طور پر والد یا ماموں کو ساتھ جانا پڑتا ہے؛ مگر لندن کے لیے ویزا ملنا مشکل ہے تو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

لڑکا خود یہاں آکر نکاح کر کے لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاوے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک دوسرے کی بہن سے آپسی نکاح

سوال: ہمارے وہاں ایک کی بہن میرے یہاں، تو میری بہن اس کے وہاں، مطلب کے بہنوں کا ادل بدل کرنا کیسا ہے کہ کسی کی بہن یا کوئی دوسرے رشتے کو دے کر سامنے والی کی بہن یا اور کوئی رشتے کو ادل بدل لیتے ہیں؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

اگر دونوں کا مہر مقرر کیا جاتا ہے تو یہ درست ہے۔ (ہدایہ: ۲/ ۳۲۷) (محمود الفتاویٰ اردو: ۴/ ۱۱۸) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح کرنا ضروری ہو؛ مگر والد صاحب نکاح کروانے کے لیے تیار نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: میں چوبیس سال کا بالغ لڑکا ہوں، اِس عمر میں اللہ تعالیٰ کے قدرتی نظام کے تحت ساری ضروریات جو ایک بالغ لڑکے کو ہوتی ہیں وہ مجھے بہت ہی زیادہ ستا رہی ہیں، کچھ وقت سے میں دعوتی کام میں لگا ہوں اور دعوت کے کام میں لگنے کی وجہ سے میرے دل میں خوفِ خدا کی کیفیت سما گئی ہے جو مجھ کو پہلے ذرا بھی نہ تھی، اسی وجہ سے میں نے سارے گناہ کے کام چھوڑ دیے ہیں، افعالِ گناہ کے ترک پر جو مشقتیں نفس جھیلتا ہے ان سب سے میں بھی دو چار ہوں؛ مگر اس کے باوجود گناہ کے کاموں سے بچنے کے لیے پوری کوشش کرتا ہوں، نیز نفسانی بیماریاں بھی پیدا ہو چکی ہیں، جس کی وجہ سے میں کافی پریشان ہوں، بڑوں کے بقول میرے لیے شادی کرنا نہایت

ضروری ہے، معاشی اعتبار سے کاروبار بھی کرتا ہوں اور طے شدہ رقم والدین کو دے دیتا ہوں، میری اس حالت کو دیکھ کر مجھ سے ملنے جلنے والے بڑوں نے میرے والدین کو میری شادی کروانے کے لیے کہا؛ مگر والدین غفلت اور لاپرواہی برت رہے ہیں، ان کو میری مالی حیثیت پر اعتماد نہیں ہے، جب کہ مجھ کو اللہ کی ذات سے کامل یقین ہے، دن بدن میری صحت خراب ہورہی ہے۔

اوپر ذکر کردہ وجوہات کی بنا پر اب میں یہ چاہتا ہوں کہ جلدی سے شادی کرلوں، ان حالات میں والد کے منشا کے خلاف شادی کے متعلق میرے لیے مذہبِ اسلام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

کسی شخص میں شہوت کا غلبہ اتنی حد تک پہنچ جائے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا یا مشت زنی وغیرہ سے اپنے کو بچانا مشکل ہو اور اس کے پاس عورت کا مہر اور نان ونفقہ ادا کرنے کی سکت ہو تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب اور ضروری ہوجاتا ہے۔ (درِمختار شامی: ۲/ ۲۸۲-۲۸۳)

لڑکے کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کرواکر ذمّے داری سے سبک دوش ہونا والد کی ذمّے داری ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

جس کے وہاں اولاد ہو اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے اور پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کروادے، اور اگر بالغ ہونے کے باوجود اس کا نکاح نہ کروائے اور اس نے کوئی گناہ (زنا وغیرہ) کا ارتکاب کیا تو اس گناہ کی ذمّے داری والد پر ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱/ ۲۷)

اِس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس گناہ کی سزا والد پر ہے''؛ کیوں کہ (نکاح نہ کرواکے) باپ اپنی ذمّے داری ادا کرنے سے قاصر رہا ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ: حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ والد پر ہی گناہ کا بوجھ ہے، لڑکے پر نہیں؛ کیوں کہ اس نے لڑکے کو گناہ میں ملوث ہونے سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/ ۲۰۹)

صورتِ مسئولہ میں جب آپ کی عمر چوبیس سال کی ہے اور شہوت کے غلبہ کی وجہ سے گناہ کے ارتکاب کا یقین ہے، نیز آپ اپنے اور آنے والی عورت کے نان ونفقہ کے بقدر کما بھی رہے ہیں، مہر کی ادائیگی کی پر بھی قدرت ہے، اس کے باوجود والد آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اور نہ خود کرواتے ہیں، ان کا یہ فعل موجبِ گناہ اور شرعی اعتبار سے قابلِ ترک ہے، آپ اپنے طور پر نکاح کر کے خود اپنی ذات کو اور اپنے والد کو گناہ سے بچا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کچھ پلا دیا ہے ایسا کہہ سکتے ہیں؟ ایسی حالت میں نکاح کا شرعی حکم؟

سوال: ہم میاں بیوی انگلینڈ گئے تھے، ہمارے گھر میں لڑکے کا انتقال ہو گیا تھا، اس کی بیوہ اور اس کی اولاد کو چھوڑ کر گئے تھے، اس دوران میرے پھوپھی زاد بھائی کا لڑکا- جو دوسرے گاؤں میں ملازمت کرتا ہے- ہر سنیچر اور اتوار کو گاؤں میں آ کر میری بہو کے ساتھ رات کو بارہ سے ایک کے دوران باڑے میں بیٹھنے لگا، اس طرح بہو کو ہاتھ پر لے لیا، اس کے ساتھ بدکاری کی یا نہیں؟ وہ تو اللہ ہی زیادہ جانتا ہے؛ مگر

میری بہو کو اپنا بنا لینے کے بعد کچھ پلا دیا یا کھلا دیا، جس کی وجہ سے میری بہو اس کے ساتھ نکاح کرنے کی بات کرنے لگی، اس کے بعد اس لڑکے نے پیغامِ نکاح کے لیے اس کے چچا، ماموں اور پیر صاحب سے پوچھوایا، ہم نے ہماری بہو کو بہت سمجھایا؛ مگر وہ نہ مانی اور اس لڑکے کے ساتھ ہی نکاح کرنے پر مصر ہوگئی؛ چناں چہ ہم نے اس کا نکاح اسی لڑکے کے ساتھ کروا دیا، میری بہو کا روزانہ سر بھاری رہتا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، یہاں مجھ کو اچھا نہیں لگتا، تو اس سلسلے میں علمائے کرام اور شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

اس لڑکے نے نکاح سے پہلے ہی آپ کی بہو کے ساتھ تعلق قائم کیا اور اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھا، اس کا یہ فعل سخت گناہ اور اللہ کی ناراضگی والا تھا، دونوں سخت گنہگار ہیں، نبیٔ کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ: خبردار! ہرگز کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے؛ اس لیے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

حضرت میمون ابن مہرانؒ کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے فرمایا: اے میمون! کسی نامحرم عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی اختیار مت کرنا، چاہے تم اس تنہائی میں اس کو قرآن شریف پڑھانا ہی چاہتے ہو۔

اگر اس لڑکے نے حقیقت میں کچھ پلا دیا ہو تو وہ بھی فعلِ گناہ ہے؛ مگر ثبوت کے بغیر ایسا نہیں کہا جا سکتا، محض اس عورت (بہو) کی بات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کے سامنے اس طرح مکر و فریب کر کے حقیقت چھپانا چاہتی ہو۔
فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: میری بہو کو کچھ پلا کر تابع بنا لیا ہو اس حساب سے اس کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اگر نکاح کے وقت اس کے ہوش وحواس قائم تھے تو وہ نکاح صحیح کہلائے گا۔

(محمود الفتاویٰ گجراتی: ۴/ ۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح میں ولی کو وکیل اور محرم کو گواہ بنایا جائے

سوال: (الف) جب لڑکی کے پاس وکیل اجازت لینے کے لیے جاوے تب گواہوں کا حاضر رہنا ضروری ہے؟ یعنی گواہوں کو بھی بوقتِ اجازت وکیل کے ساتھ جانا چاہیے؟

(ب) کیا نکاح کے دونوں گواہ لڑکی کے محرم ہونا ضروری ہے؟

(ج) گواہ لڑکی والوں کی طرف سے ہونے چاہیے یا لڑکے والوں کی طرف سے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف) لڑکی کے پاس بوقتِ اجازت وکیل کے ساتھ گواہوں کے نام سے جو لوگ جاتے ہیں وہ درحقیقت نکاح کے نہیں؛ بلکہ لڑکی اس وکیل کو اپنا نکاح فلاں لڑکے کے ساتھ کرنے کے لیے وکیل بنا رہی ہے اس کے گواہ ہوتے ہیں؛ یعنی وہ نکاح کے گواہ نہیں؛ بلکہ وکالت کے گواہ ہوتے ہیں اور اتنا یاد رہے کہ وکالت گواہوں کی حاضری کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہے، مثلاً: کسی لڑکی نے تنہائی میں- جہاں کوئی گواہ نہ تھا- کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا تو اس طرح وہ شخص شرعاً وکیل بن جاتا ہے اور اس کے

کروائے ہوئے نکاح بھی درست ہوجاتے ہیں، ہمارے معاشرہ میں وکالت کے اوپر گواہ بنانے کا رواج بطورِ احتیاط رکھا گیا ہے؛ تاکہ اگر آئندہ لڑکی وکیل کے متعلق یہ کہے کہ: میں نے اس کو اپنا نکاح فلاں کے ساتھ کرنے کا وکیل نہیں بنایا تھا تو اگر گواہ موجود ہوں گے تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ثابت ہوگا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ لڑکی کے ولی؛ یعنی اس کے والد یا ان کی غیر حاضری میں اس کے دادا وغیرہ موجود ہوں، پھر بھی ان کے علاوہ کسی اور کو وکیل بنایا جائے گا تب بھی حنفی مذہب کے مطابق نکاح تو ہوجائے گا؛ مگر یہ طریقہ خلافِ احتیاط ہے؛ اس لیے کہ بعض علما (مثلاً امام شافعیؒ) کے نزدیک والد کی موجودگی میں کسی اور کے پڑھوائے ہوئے نکاح درست نہیں ہوتے؛ لہٰذا احتیاط کی راہ یہی ہے کہ ولی ہی کو وکیل بنایا جائے۔

(ب) شریعت نے نکاح میں جس گواہی کو ضروری قرار دیا ہے اس میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اور ان کا مسلمان، بالغ ہونے کے ساتھ نکاح کے ایجاب وقبول کو اپنے کانوں سے سننا ضروری ہے، اگر گواہ میں کوئی مرد نہ ہو، فقط عورتیں ہی ہوں یا پھر ایک ہی مرد ہو، ساتھ میں دو عورتیں یا کوئی دوسرا مرد نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

اوپر ذکر کردہ تفصیل سے اتنا ثابت ہوگیا کہ نکاح کے گواہ میں لڑکی کے محرم کا ہونا ضروری نہیں، ہمارے معاشرے میں جواب نمبر ایک کے مطابق بوقتِ اجازت وکیل کے ساتھ گواہوں کو بھی لے جایا جاتا ہے، اگر اس وقت لڑکی کے محرم کے علاوہ اور کسی شخص کو لے جایا جائے گا تو ایک نامحرم کا لڑکی کو دیکھنا لازم آئے گا، اسی وجہ سے بطورِ احتیاط محرم کو لے جانے کا مشورہ دیا جاتا ہے، نیز بوقتِ اجازت ساتھ میں جانے

والے افرادنکاح کےنہیں ؛ بلکہ وکالت کے گواہ ہوتے ہیں،جیسا کہ ابتدائی جواب میں گذر چکا، البتہ اپنے سماج ومعاشرہ میں ان کے ناموں ہی کونکاح کے رجسٹر میں گواہ کےعنوان سے لکھ دیا جاتا ہے، جب کہ مجلسِ نکاح میں موجودوہ تمام حضرات جونکاح کے ایجاب وقبول کوسن رہے ہیں وہ سب شرعی اعتبار سے نکاح کے گواہ بن جاتے ہیں؛ چاہےان کا نام بطورِگواہ نکاح کےرجسٹرمیں لکھا جائے یانہ لکھا جائے۔

(ج) جواب نمبر دو کے مطابق کوئی بھی مسلمان بالغ شخص ؛ چاہے وہ لڑکی کا رشتے دار ہو یالڑکے کا یا پھر دونوں میں سے کسی سے رشتے داری کا تعلق نہ ہو؛ بلکہ اجنبی ہو، تب بھی وہ نکاح کا گواہ بن سکتا ہے، گواہ کا لڑکی یا لڑکے کی طرف سے ہونا شرعی اعتبار سےضروری نہیں ہے۔

نوٹ: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: اجنبی اور نامحرم لوگوں کا لڑکی کے پاس اجازت کے لیے جانا خلافِ غیرت ہے،معلوم نہیں لوگ اس خلافِ غیرت وحیارسم کو کیوں سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں؟ باپ لڑکی کا ولی ہے، وہی اس کی جانب سےنکاح کرنے کا وکیل ہےاور مجاز بھی ہے؛البتہ رشتہ طے کرنے اورمہر وغیرہ کے سلسلے میں لڑکی سے مشورہ ضرور ہونا چاہیے اور یہ مشورہ لڑکی کی والدہ اور دوسری مستورات کے ذریعہ سے ہوسکتا ہےاور آج کل تو نکاح کے فارم میں تمام امور کا اندراج ہوتا ہے، نکاح کے فارم میں دستخط کرنے سےلڑکی کی اجازت بھی معلوم ہوجاتی ہے؛اس لیےاجنبی نامحرم اشخاص کودلہن (لڑکی) کے پاس بھیجنے (اوران کے دلہن سے بے حجابانہ ملنے) کی رسم قطعاً موقوف کردینی چاہیے،شادی کی تیاری کے باوجود کنواری لڑکی کا خاموش رہنااس کی طرف سے اجازت ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا

حل: ۵/ ۵٦، محمود الفتاویٰ گجراتی: ۴/ ۲۰۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہوں کے متعلق اصرار کرنا کیسا ہے؟

سوال: نکاح کے وقت لڑکی کے والد وکیل ہو تو بغیر گواہ کے نکاح درست ہے یا نہیں؟ مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے: مجلسِ نکاح میں لڑکی کے والد خود وکیل تھے، وکیل (لڑکی کے والد) نے نکاح پڑھوانے کے لیے لڑکی کی اجازت لی تب کوئی گواہ نہ تھا، نکاح پڑھواتے وقت ایک مفتی صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ: بغیر گواہ کے نکاح درست نہیں ہوتے، جب کہ ان کو کہا گیا کہ: ڈابھیل میں مفتی صاحب نے خود اس طرح نکاح پڑھوائے ہیں، پھر بھی انھوں نے نہ مانا، اس کے بعد مجلس سے اٹھ کر پھر سے وکیل نے (لڑکی کے والد نے) دو گواہوں کے سامنے لڑکی سے اجازت لی اور اس کے بعد نکاح پڑھوائے گئے، تو اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

باپ یا پھر کوئی اور شخص (جو لڑکی کی طرف سے نکاح کی مجلس میں وکیل بن کر حاضر رہتا ہے) جب لڑکی سے نکاح کی اجازت لے رہا ہو اس وقت شرعی اعتبار سے (نکاح کے صحیح ہونے کے لیے) وہاں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، احتیاطاً وکالت کے گواہ بھی بنا لیے جاتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آئندہ کبھی لڑکی ایسا کہے کہ: میں نے ان کو اپنے نکاح کا وکیل نہیں بنایا تھا تو کسی قسم کی دشواری پیدا نہ ہو، نکاح کی مجلس میں جہاں نکاح پڑھانے والا وکیل کو پوچھ کر نکاح پڑھاتا ہے اور وکیل سے ایجاب (یعنی ''اپنی مؤکلہ کو دولہا کے نکاح میں دیا'' ایسے الفاظ) کہلاتا ہے اور اس کے بعد دولہا سے

قبول (یعنی اس کے نکاح میں دی گئی دلہن کو اپنانے کے الفاظ (قبول) کہلاتا ہے اسی وقت وہاں گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور وہی نکاح کے اصل گواہ کہلاتے ہیں؛ اس لیے کہ نکاح ایجاب اور قبول کا نام ہے۔

صورتِ مسئولہ میں نکاح پڑھانے والے مفتی صاحب نے اجازت لینے کے وقت گواہ کی حاضری کو ضروری قرار دیا اور وکیل (لڑکی کے والد) کو مع اصرار گواہوں کی موجودگی میں اجازت لینے واپس بھیجا، شرعی اعتبار سے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی اور ان کا اس پر اصرار بھی درست نہ تھا۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۱۶/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

عقدِ نکاح میں عاقد کے علاوہ دو گواہ ہونا شرط ہے

سوال: کسی نے اپنی لڑکی کا نکاح اجتماع میں کرانا چاہا، امام صاحب نام لکھ رہے تھے، تو انھوں نے بھی کہا کہ: ہماری لڑکی کا نام بھی لکھ لیں تو امام صاحب نے کہا کہ: گواہ کے نام بتاؤ تو جب باپ خود ہی موجود ہے تو ایسی صورت میں فی الشرع گواہوں کا نام تشخص کر کے بتانا ضروری ہے یا باپ خود وکیل اور شاہد دونوں بن سکتا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

عقدِ نکاح؛ یعنی ایجاب وقبول جس مجلس میں ہو رہا ہے اس مجلس میں جو حضرات موجود ہیں وہ سب گواہ ہی ہیں، ان میں سے دو حضرات کا تقرر وتعین ضروری نہیں ہے، باپ صورتِ مسئولہ میں گواہ نہیں بن سکتا؛ اس لیے کہ وہ تو بہ حیثیتِ ولی ایجاب کرتا ہے تو وہ عاقد ہوا، اور گواہ عاقد کے علاوہ ہونا چاہیے: ”لأن المرأ لایشهد علیٰ فعل نفسه“. (محمود الفتاویٰ اردو: ۳۱۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح کے وقت لے پالک کی نسبت کس کی طرف کی جائے؟

سوال: میرا ایک لے پالک متبنّی بیٹا ہے جس کی شادی عنقریب ہونے والی ہے، میں محض اپنی اور لے پالک بیٹے کی خواہش اور خوشی اور احسان شناسی کی بنا پر ایجاب وقبول کے موقع پر نکاح خوانی میں بجائے اس کے اصل باپ کے میری ولدیت اسمِ گرامی میں درج کراؤں کہ اس کے اصل باپ کو اعتراض بھی نہیں، اور لوگ اس کے اصل نسب سے واقف بھی ہیں تو صحتِ نکاح میں کوئی حرج ہوگا؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

لے پالک بیٹے کو اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارنے کا قرآن میں صریح حکم موجود ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الأحزاب:٥)

اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے اس لے پالک بیٹے کو بوقتِ نکاح بولنے اور لکھنے میں اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کریں، اپنی یا لے پالک بیٹے کی خواہش اور خوشی کے لیے قرآنِ پاک میں وارد اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرنا بہت بڑی جرأت کی بات ہے۔ حدیثِ پاک میں اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من ادعیٰ إلیٰ غیر أبیه وهو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام.

جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کرے؛ حال یہ کہ وہ جانتا ہے کہ جس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں

ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ (بخاری شریف: ۲/۱۰۰۱)

ایک اور روایت میں حضورِ اکرم ﷺ نے اس کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے:

لا ترغبوا عن آبائكم، فمن رغب عن أبيه فهو كفر. (بخاری: ۲/۱۰۰۱)

اس لیے آپ ہرگز ایسا نہ کریں، اس کے باوجود اگر بوقتِ نکاح اس کی نسبت آپ کی طرف کی گئی اور لڑکی جانتی ہے کہ اس سے مراد یہی لڑکا ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح ہونے والا ہے تو تعریف اور تمیز - جو مقصود ہے - حاصل ہونے کی وجہ سے عقدِ نکاح درست قرار دیا جائے گا۔ (محمود الفتاویٰ: ۵/۳۱۷) فقط والله تعالیٰ أعلم.

نکاح خوانی کے بعد مسجد میں باتیں کرنے، کھانے وغیرہ سے متعلق احکام

سوال: اکثر و بیشتر ہمارے جماعتی بھائی نکاح کا پروگرام مساجد میں رکھتے ہیں اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے دنیوی باتیں بھی کرتے رہتے ہیں اور نکاح کے بعد اس خوشی میں کھانے کی چیزیں بھی تقسیم کرتے ہیں اور وہ بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھاتے ہیں تو اس سلسلے میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا گناہ ہے، نکاح خوانی کے پروگرام کے درمیان بھی اس کی اجازت نہیں ہے، نکاح خوانی کے بعد تقسیم کی جانے والی اشیا مسجد میں کھانے کے بجائے باہر جا کر کھانی چاہیے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/۱۳۰) فقط والله تعالیٰ أعلم.

مہر سے متعلق مسائل

کم سے کم مہر

سوال: کم سے کم مہر باعتبارِ چاندی کے کتنے تولہ چاندی سے رائج ہوتی ہے؟ اوراس زمانے میں ہندوستان کے رائج سکہ کے حساب سے مہر کتنے روپیے ہوتی ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار- جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے- دوتولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے۔(جواہر الفقہ: ۱/ ۴۲۳-۴۲۴)

جدید وزن کے اعتبار سے احتیاطی طور پر بتیس گرام ہوگی؛ چوں کہ چاندی کے بھاؤ میں روزانہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے؛ اس لیے جس روز مہر مقرر کیا جارہا ہے اس روز بازار سے بھاؤ معلوم کرکے بتیس گرام چاندی کا جو بھاؤ ہو وہ مقرر فرمالیں۔(محمود الفتاویٰ اردو: ۴/ ۳۹۳)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

مہرِ فاطمی مقرر کرنے سے متعلق

سوال: ایک شخص نے مہرِ فاطمی ۱۱۵۰۰/روپیے مقرر کی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ: مہرِ فاطمی واجب ہے تو اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

مہرِ فاطمی مقرر کرنا واجب یا فرض نہیں ہے، کوئی شخص یوں سمجھ کر کہ اتنی مہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحب زادی کے لیے مقرر کی تھی مقرر کرے گا تو ثواب کا حق دار ہوگا؛

البتہ اگر کوئی شخص یہ مہر مقرر کر ہی چکا ہو تو (مقرر کرنے سے) واجب ہوگئی، مہرِ فاطمی ۱۵۳۱ر گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے، نکاح کے وقت جو بھاؤ چلتا ہو اس کو معلوم کر کے اس کے مطابق حساب کر لیا جاوے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۱۲/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

نکاح میں مہرِ فاطمی پر اصرار کرنا

سوال: آج کل مہرِ فاطمی دینے پر کچھ حضرات زور دیتے ہیں؛ لیکن اس وقت اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دولہا کی حیثیت حقیقت میں مہرِ فاطمی دینے کی ہے یا نہیں؟ کچھ وقت پہلے ایک شادی کے موقع پر دونوں طرف والوں کے درمیان مہر کی رقم سوا گیارہ ہزار روپیے طے ہوئی تھی؛ مگر دلہن کے والد کے ایک رشتہ دار (جو مفتی ہے) نے اصرار کیا کہ مہرِ فاطمی ہی طے کی جائے اور اس کے عوض میں روپیہ ۳۷۵۰۰ نقد لیے جائیں۔

دولہا کے والد نے دلہن کے والد کو اوپر ذکر کردہ پہلے سے طے شدہ مہر کی طرف توجہ دلائی اور جس مسجد میں نکاح ہونے والے تھے اس مسجد کے ٹرسٹ کے رجسٹر میں اس سے پہلے ہونے والے نکاحوں کے کاغذات دکھلائے کہ بہت سارے نکاحوں میں مہر ۷۵۰۰/ روپیہ بھی معلوم ہو رہی ہے؛ مگر فتنہ پرداز مفتی کی بات میں آکر دلہن کے والد نے ۳۷۵۰۰/ روپیے مہر ادا کرنے پر ہی مجبور کیا، اس طرح اجنبی بستی میں دلہے کا والد آزمائش کی حالت میں مبتلا ہو گیا اور مجبوراً قرض لے کر مہر کی رقم ادا کرنی پڑی، ان حالات میں مہرِ فاطمی ادا کرنے پر مجبور کرنے والے مفتی کے لیے کیا حکم ہے؟

دلہن کے والد کے لیے کیا حکم ہے؟

کیا مفتی اور دلہن کے والد نے وقت کا فائدہ اٹھا کر ظلم نہیں کیا؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

عورت اپنے آپ کو شریعت کے مقررہ اصول وضوابط کے مطابق اپنے ہونے والے شوہر کے حوالے کرے اور اس کے عوض اس کو جو رقم ملے اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''مہر'' کہتے ہیں، مہر شریعت کی طرف سے عورت کو دیا ہوا حق ہے، جس کا ادا کرنا شوہر کے ذمّے ضروری ہے۔

اسلام میں مہر کی کم سے کم مقدار حنفی مسلک کے مطابق دس درہم ہے، اس سے کم مہر متعین نہیں کی جاسکتی، آج کل وزن کے اعتبار سے دس درہم کی مقدار اندازاً ۳۱/گرام سے کچھ زیادہ چاندی ہوتی ہے؛ اس لیے مہر میں کم سے کم ۳۲/گرام چاندی یا اس کی قیمت طے کرنا ضروری ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شریعت نے طے نہیں کی؛ لہٰذا زیادہ مہر متعین کرنا چاہے تو کر سکتے ہیں؛ مگر اس کے لیے مرد کا اس کی ادائیگی پر قادر ہونا ضروری ہے؛ اس لیے کہ جو شخص نکاح کرتے وقت مہر نہ دینے کے ارادہ سے بڑی مہر طے کر کے نکاح کرے یا پھر خاندانی بڑائی جتانے کے لیے بڑی مہر طے کرے، جب کہ وہ جانتا ہو کہ وہ کبھی بھی اس کو ادا نہیں کر سکے گا، تو بھلے اس مہر سے نکاح تو ہو جائے گا؛ مگر سخت گنہگار ہوگا، بہر حال! مہر کے تعلق سے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ زیادہ مہر طے کرنا جائز ہے؛ مگر افضل اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ مہر اتنا متعین کیا جائے جو آسانی سے ادا کیا جا سکے، حدیثِ پاک میں کم خرچ والے نکاح کو برکت والا کہا گیا ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنی پاک بیویوں اور محبوب لڑکیوں کا مہر ۵۰۰/درہم متعین کیا تھا اور اسی کو ''مہرِ فاطمی'' کہا جاتا ہے، مہر کی اس مقدار کی بابت حضرت مولانا

برہان الدین صاحب سنبھلی لکھتے ہیں کہ: نبیٔ اکرم ﷺ کے عمل سے جس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر کی مقدار اتنی زیادہ نہ ہونی چاہیے کہ اس کی ادائیگی مشکل بن جائے، اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر اتنی کم بھی نہیں ہونا چاہیے کہ جس سے عورت کی بےوقعتی؛ بلکہ بے قیمت ہونا معلوم ہو۔ (معاشرتی مسائل دینِ فطرت کی روشنی میں)

صورتِ مسئولہ میں جب مہر کی رقم دونوں پارٹیوں نے آپسی رضامندی سے سوا گیارہ ہزار روپیے متعین کی تھی، تو پھر نکاح کے وقت اچانک دلہن کے والد کا مہرِ فاطمی پر زبردستی کرنا بالکل مناسب نہ تھا اور جس مفتی صاحب نے دلہن کے والد سے اس طرح کا اصرار کروایا وہ بھی غلط تھا، اس کے باوجود جب دولہا کے والد نے وہ مہر قبول کر کے ادا کر دیا تو وہ شرعی اعتبار سے درست ہو گیا، دلہن کی پارٹی والوں کا اس طرح موقع کا غلط فائدہ اٹھانا شرعی اعتبار سے قابلِ مذمت ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/۲۲۹ - ۲۳۲)

فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

مہر کی مقدار کتنی ہے؟

(سوال): مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کتنی ہوسکتی ہے؟ اگر لڑکے والے مال دار ہوں، مہر کی ادائیگی پر قدرت بھی رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں کس حد تک شرعی جواز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے، بعض حضرات مہر کی قدرے زیادتی پر علما کو نشانہ بناتے ہیں، کس حد تک درست ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً دو

تولے، ساڑھے سات ماشہ چاندی) ہے اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں، حسبِ حیثیتِ طرفین جس قدر چاہیں اور وسعت سمجھیں مقرر کر سکتے ہیں۔ درِمختار میں ہے:

أقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره : لا مهر أقل من عشرة دراهم إلخ. (درِ مختار علیٰ هامش الشامي: ۲/۳۵۷)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو بطورِ مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی؛ یعنی پانچ سو درہم - جس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتی ہے- دیا ہے، حضرت فاطمہ+++ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی اتنا ہی تھا؛ اس لیے اس مقدار کو ''مہرِ فاطمی'' بھی کہا جاتا ہے، اگر زیادہ مہر مقرر کرنے والے میں ادائیگی کی استطاعت ہے اور یہ زیادتی فخر ومباہات کے طور پر نہیں ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، کوئی حرج نہیں؛ البتہ محض نام آوری اور شہرت کے لیے حیثیت سے زیادہ مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں؛ بلکہ مذموم اور برا ہے، خصوصاً معاف کرانے یا نہ دینے کی نیت ہو تو بہت ہی برا ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ کراچی: ۱۲/ ۲۸-۴۶)۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۵/ ۳۱) فقط والله تعالیٰ أعلم.

کمیٹی کا مقدارِ مہر مقرر کرنا

سوال: (الف): آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے کہ: ہماری جماعت میں نکاح کے وقت لڑکی کا مہر ۳۵۰/روپیے جماعت نے جنرل میٹنگ میں طے کیا ہوا ہے، ہر غریب، امیر لڑکے کو یہی مہر دینا ہوتا ہے، تب ہی جماعت کے قاضی صاحب نکاح پڑھاتے ہیں، ساتھ ہی اگر کوئی صاحب کسی اور قاضی صاحب سے نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں تو ان کو اجازت دی جاتی ہے، جماعت کے ہر طبقے کے لوگوں کی مالی حالت کو مدِ نظر

رکھتے ہوئے مہر صرف جماعتی بھائیوں کا طے کرنا شرعاً مناسب ہے؟

(ب) دیکھا دیکھی اور صرف اپنی آن اور بڑائی جتلانے یا شرما شرمی میں نکاح کے وقت زیادہ رقم لکھا کر ادا نہ کرے اور آخرت کا گناہ گار بنے، اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس وقت کے مطابق جماعت کے لوگ مل کر صرف جماعت کے لوگوں کے لیے مہر کی کوئی رقم طے کر سکتے ہیں؟ یا کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ اتنی رقم، درمیان کی رقم اپنی خاندانی حیثیت کے مطابق طے کرلیں، ایسا قانون (ترغیبی حیثیت سے، نہ کہ ڈنڈ کی حیثیت سے) جماعت بنا سکتی ہے؟

(ج) ہمارے یہاں پہلے کے دستور میں قاضی صاحب نکاح میں ہمیں جہاں تک یاد ہے، یوں فرماتے تھے:

مہرِ فاطمی ۵۰/ ۷ /۱۲روپیے مہر کے بدل فلاں کی پوتی............

ممکن ہے کہ اس وقت مہرِ فاطمی چاندی، دینار کی رقم ۵۰/ ۷ /۱۲ سے زیادہ ہو تو کیا ابھی وہ رقم ادا کرنی پڑے گی اور کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی؟ اگر بیوی نے معاف کر دیا ہو تو کوئی مسئلہ پیش آتا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف، ب) شریعت کے مقرر کردہ اصول وضوابط اور طریقے کے مطابق جب کوئی عورت اپنی ذات کو بحیثیت بیوی کسی مرد کے حوالے کرتی ہے اور اس کے معاوضے میں جو رقم اس عورت کو دی جاتی ہے اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''مہر'' کہا جاتا ہے، یہ شریعت کی طرف سے عورت کو دیا گیا ایک حق ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمّے ضروری ہے۔

اسلام میں مہر کی کم سے کم مقدار ہمارے حنفی مسلک کے مطابق دس درہم ہے، اس سے کم مہر مقرر کرنا درست نہیں، حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا مهر من أقل عشرة دراهم. (یعنی دس درہم سے کم مہر درست نہیں)

عصرِ حاضر کے اعشاری وزن کے مطابق یہ مقدار اکتیس (۳۱) گرام چاندی سے کچھ زیادہ ہوتی ہے؛ اس لیے مہر میں کم سے کم بتیس (۳۲) گرام چاندی یا اس کی قیمت مقرر کرنا ضروری ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی ہے؛ اس لیے زیادہ مہر جتنی بھی مقرر کرنا چاہے کر سکتے ہیں؛ البتہ اس کے لیے شوہر کا اس کی ادائیگی پر قادر ہونا ضروری ہے؛ اس لیے کہ جو آدمی نکاح کے وقت مہر ادا نہ کرنے کے ارادہ سے زیادہ مہر مقرر کرے یا اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے بڑا مہر باندھے؛ حالاں کہ اس کو معلوم ہے کہ وہ کبھی ادا نہیں کر سکے گا تو ایسی مہر پر نکاح تو درست ہو جائے گا؛ مگر وہ آدمی گنہگار بنے گا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہیں ہے اور پھر وہ مہر ادا کیے بغیر ہی انتقال کر جائے تو ایسا شخص قیامت کے دن زانی کی شکل میں اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔

اس لیے بہت بڑی مقدار میں مہر مقرر کرنے کا لالچ چھوڑ دینا چاہیے، یہ کوئی بڑائی یا عزت کی چیز نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے کے اندر شریعت کی اس روح کو نہایت عمدہ انداز میں بیان فرمایا: ''کان کھول کر سن لو! عورتوں کی مہر زیادہ نہ باندھا کرو، اگر یہ دنیا میں اعزاز کی بات یا اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ ضرور ایسا کرتے''۔ (مشکوۃ: ۲۷۷) آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

’’میرے علم کے مطابق حضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کا مہر بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی سے زیادہ نہیں تھا‘‘۔(مشکوٰۃ:۲۷۷)

اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کے لیے ایک حد مقرر کرنے کا اپنا ارادہ ظاہر فرمایا؛ لیکن ایک عورت نے اس کے خلاف قرآنِ پاک کی ایک آیت سے دلیل پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ ارادہ ترک فرما دیا۔(مرقاۃ:۶/ ۲۴۶)اور لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق زیادہ مہر مقرر کرنے کی اجازت دے دی۔

(احکام القرآن:۲/ ۱۹۸)

اسی لیے علما نے لکھا ہے کہ بڑا مہر باندھنا اگر چہ جائز ہے؛ لیکن پسندیدہ نہیں، حضورِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: بہترین عورتیں وہ ہیں جن کا مہر آسان ہو۔(احکام القرآن:۲/ ۱۹۸ بحوالہ تفسیرِ مظہری)

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لوگوں کو بڑا مہر باندھنے سے روکنے کے لیے کسی حاکم یا جماعت یا برادری کے ذمّے داروں کا زیادہ سے زیادہ مہر کے لیے کسی مقدار کو طے (فکس) کرنا درست نہیں۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ:’’حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے؛ لیکن کسی فرد کو، کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ سب برادری کے لیے مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کردے کہ اس سے کمی زیادتی کی اجازت ہی نہ رہے اور ہر شخص خواہی نخواہی اسی مقدار پر مجبور ہو جائے‘‘۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۳/ ۲۴۶)

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ ایک ایسے سوال کے جواب میں–جس میں پوچھا گیا ہے کہ: برادری کی کمیٹی نے مہر کے لیے ایک رقم

مقرر (فکس) کر دی ہے، اس سے کم وبیش کرنے نہیں دیتے تو کیا کمیٹی کا یہ فیصلہ درست ہے؟ -فرماتے ہیں کہ: ''برادری کی کمیٹی کا یہ فیصلہ غلط ہے، حقِ مہر میں بیوی وشوہر کی حیثیت کوملحوظ رکھے.......... مہر چوں کہ بیوی کا حق ہے؛ اس لیے برادری کے لوگ اس کی مقدار مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے''۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۱۵۳)

البتہ اگر معاشرے میں نام آوری اور شہرت کے خاطر بڑا بڑا مہر باندھنے کا رواج ہوجائے اور اس کی ادائیگی کا اہتمام نہ کیا جائے اور اس قباحت سے روکنے کے لیے برادری کے ذمّے دار مہر کی کوئی مقدار مقرر کر کے اس کے مطابق عمل کے لیے صرف اپیل کریں اور ترغیبی پہلو سے لوگوں کو آمادہ کریں اور اس کے خلاف کرنے والے پر کوئی تادیبی کارروائی (یعنی ڈنڈ یا مقاطعہ یا برادری کی طرف سے دی جانے والی خدمات سے محروم کر دینے وغیرہ) نہ کرے تو اس کی گنجائش ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ: ''البتہ برادری کے لوگوں کو مناسب مہر مقرر کرنے کی اپیل کرنی چاہیے''۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۱۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے کے جو الفاظ اوپر آ چکے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کے لیے مہر کی جو مقدار مقرر فرمائی تھی وہ معتدل اور مناسب ہے، موجودہ زمانے کے وزن کے حساب سے وہ مقدار ۱۵۳۱/ گرام چاندی ہوتی ہے؛ اس لیے اگر کمیٹی بطورِ مشورہ کسی مقدار کی طرف ترغیب دینا چاہتی ہے تو یہ مقدار مناسب ہے۔

یہ یاد رہے کہ ۵۰۰/ درہم مہر جو عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کے لیے مقرر فرمایا تھا، اسی کو 'مہرِ فاطمی' سے بھی جانا جاتا

ہے، اُس زمانے میں عام طور پر پانچ درہم میں ایک بکری آجاتی تھی، گویا ۵۰۰/درہم سو بکریوں کی قیمت ہے، آج کل ایک بکری کی بازاری قیمت سامنے رکھ کر اندازہ لگالیں کہ یہ مقدار کتنی ہوتی ہے؟ آپ نے ۳۵۰/روپے جو فکس کیے ہیں اس سے تو بکری کا پانچ کلو گوشت بھی نہیں آتا۔

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے جس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر کی مقدار اتنی زیادہ نہیں مقرر کرنی چاہیے کہ ادا کرنا ہی مشکل ہوجائے، اسی طرح یہ بھی پتہ چلا کہ مہر اتنا کم بھی نہ ہونا چاہیے کہ جس سے عورت کی بے وقعتی؛ بلکہ بے قیمتی کا احساس ہونے لگے، اس بارے میں بھی اکثر لوگ افراط اور تفریط کا شکار ہوجاتے ہیں کہ یا تو اتنا زیادہ مہر مقرر کرنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں جس کا ادا کرنا مشکل ہی نہیں؛ بلکہ بسا اوقات محال ہوتا ہے، یا اتنی کم مقدار بعض برادریوں اور خاندانوں کے لوگ مقرر کرتے ہیں کہ سن کر ہنسی آجائے اور عورت کی کھلی توہین محسوس ہو، شریعت نے اس سلسلے میں بھی اعتدال کی راہ پسند فرمائی اور اس پر چلنا بہتر بتایا کہ وہ نہ بہت زیادہ ہو اور نہ عورت کی حیثیت سے اتنا کم ہو کہ اسے ہم چشموں میں سبکسار ہونا پڑے، اُس زمانے میں قوتِ خرید کے لحاظ سے درہم کی جو مالی حیثیت تھی کہ پانچ درہم میں عموماً ایک اچھی بکری آجاتی تھی، اس کے اعتبار سے پانچ سو درہم کی خاصی مالیت ہوئی۔ (معاشرتی مسائل دینِ فطرت کی روشنی میں: ۵۲-۵۳)

نیز یہ پہلو بھی مدِ نظر رہے کہ نکاح کرنے والوں کے مختلف اوصاف و کمالات (علم، ہنر، اخلاق، حسن اور عمر وغیرہ) کی وجہ سے بھی مہر کی مقدار میں کمی بیشی ہونے کی بات فقہا نے کتابوں میں صاف صاف لکھی ہے؛ چناں چہ جہاں مہرِ مثل پر بحث کرتے ہیں

وہاں لکھا ہے کہ: عمر، جمال، مال،شہر، زمانہ، عقل وہوشیاری، دین داری وعلم، پاک دامنی، ادب واخلاق وغیرہ امور کی وجہ سے مہروں میں فرق آتا ہے۔(درِمختار مع الشامی: ۲/ ۳۸۵)

اس لیے مشورہ دینے والی صورت میں بھی کوئی ایک ہی مقدار متعین کرکے ایک ہی ڈنڈے سے سب کو ہنکالنا شریعت کی منشا اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔

بہرحال! سارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مناسب تو یہی ہے کہ کمیٹی مہر کی کوئی مقدار مقرر (فکس) نہ کرے اور بطورِ مشورہ اور اپیل کوئی مقدار مقرر کرنا چاہتی بھی ہے تو اس میں تمام امور کا خیال رکھا جائے اور مختلف حیثیتوں سے مختلف مقداریں تجویز کرکے مشورہ دیا جائے اور اس میں بھی یہ بات یاد رہے کہ جو لوگ اس پر عمل نہ کریں ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی جائے؛ البتہ کسی کے متعلق عام رجحان اور گمان یہ ہو کہ مہر کی جو زیادہ مقدار اس نے مقرر کی ہے اس کی ادائیگی پر وہ قادر نہیں اور اندیشہ ہے کہ آگے چل کر وہ اس کو ادا نہیں کرے گا اس صورت میں اگر کمیٹی وہ مقدار فوری طور پر ادا کرنے پر اس کو پابند بنائے تو اس کی گنجائش ہے۔

(ج) مہرِ فاطمی کی مقدار چاندی کے حساب سے موجودہ وزن میں ۱۵۳۱/ گرام ہوتی ہے، جس روز نکاح ہو اس روز رائج الوقت سکے کے اعتبار سے اتنی مقدار چاندی کی جو قیمت ہوتی ہو وہ طے کردی جائے تو اتنا سکہ مہر میں واجب ہوگا اور اگر مہرِ فاطمی طے کرکے رائج الوقت سکے کا تذکرہ نہیں کیا تو جس روز مہر ادا کیا جائے اس روز ۱۵۳۱/ گرام چاندی کی جو قیمت ہوگی وہ ادا کرنی پڑے گی۔

بیوی نے اگر مہر سچے دل سے بغیر جبر واکراہ کے معاف کردیا تو اب وہ ساقط ہوگیا۔(محمود الفتاویٰ اردو: ۵/ ۳۰۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شادی میں ہونے والی رسومات اور برائیاں

مسلمان عورتوں کا بیوٹی پارلر میں جاکر اپنے آپ کو سنوارنا

سوال: کیا نابالغ کنواری لڑکی شادی کے موقع سے بلیچ کرواسکتی ہے؟ اور بلیچ کردہ حالت میں نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ نماز درست ہوگی یا نہیں؟

بلیچ کا مطلب: یہ ایک قسم کی کریم ہوتی ہے جس کو عورتیں چہرے پر لگاتی ہیں، جس سے چہرے کے بال سنہرے معلوم تے ہیں یا تو پھر بالکل نظر ہی نہیں آتے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

بیوٹی پارلروں میں جانے اور نت نئے ایجاد کردہ فیشن اختیار کرنے سے خواتین کے چہرے، جسم اور بالوں کا فطری قدرتی حسن ختم ہوجاتا ہے اور اس سے بہت نقصانات بھی ہوتے ہیں، اس سلسلے میں قاہرہ میڈیکل کالج کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالمنعم صاحب کی تحریر بڑی فکر انگیز ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

اس طرح بیوٹی پارلر جاکر بالوں کی سیٹنگ کروانا، یورپ کے لحاظ سے فیشن کی طرح مختلف رنگوں سے انھیں رنگنا، بالوں کو جھاڑنے اور ان کے اندر زَخم دینے کے لیے مختلف غیر فطری طریقے استعمال کرنا، جس سے بال جلدی گر جاتے ہیں، ان کی جڑیں کمزور ہوجاتی ہیں یا سیٹنگ مشین کا استعمال کرنا اور کیمیاوی دواؤں کا استعمال کرنا جن میں ایسے مادے بھی شامل ہوتے ہیں جو بالوں کے لیے سخت نقصان دِہ ہوتے ہیں، کسی بھی عورت کے لیے ایسی چیزوں کا استعمال مناسب نہیں؛ کیوں کہ یہ بالوں کے لیے

سخت نقصان دِہ ہے، خواتین کو ایسی زیب وزینت اختیار کرنے سے بچنا چاہیے۔ (ماخوذ رسالہ ''تمھارا خصوصی معالج'')

ہماری بہت ساری خواتین کو یہ معلوم بھی نہیں کہ ان کے سر کے بالوں کو کھینچ تان کر رکھنے کے کیا کیا نقصانات ہیں؟ کیوں کہ بالوں کو کھینچ تان کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جڑوں پر زور ڈالا جائے اور خون کی مخصوص مقدار کو بالوں کی جڑوں میں پہنچنے نہ دیا جائے، جس سے بالوں کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں اور بال جلدی گر جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوٹی پارلروں میں فیشل، ہیر کٹنگ، تھریڈنگ، ویکسنگ، بلیچنگ کروا کر اور آئی بروز اور اپر لیوز بنوا کر بن ٹھن کر نکلنے والی خاتون چند دنوں تک بظاہر بہت اچھی بھی لگے گی؛ لیکن اس کے بعد جوں جوں اس کا اثر زائل ہوتا جاتا ہے، پھر پچیس سالہ دوشیزہ اگر پچاس سال کی نہیں تو چالیس سال کی ضرور لگتی ہے اور گناہ کا یہ اثر ضرور ہوتا ہے کہ شوہر کے دل میں محبت کے بجائے بغض ونفرت بیٹھتی رہتی ہے۔

خصوصاً بیوٹی پارلر میں مزین کرنے والی جو عورتیں ہوتی ہیں وہ اکثر بے نمازی، بے پردہ، آزاد خیال، اللہ تعالیٰ کے احکام سے باغی اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرنے والی ہوتی ہیں جن کے شوہر خود ان ہی سے بیزار ہیں اور وہ خود اپنے شوہروں سے بیزار ہو کر ان کاموں پر لگ گئی ہیں، تو وہ کیا دوسری خواتین کو ایسا تیار کریں گی جس سے وہ اپنے شوہر کی ہو جائیں؟

کبھی بھی نہیں! بلکہ مسلمان خواتین کے لیے ایسی بے حیا اور گناہ گار عورتوں کو اپنے جسم پر ہاتھ بھی نہیں لگانے دینا چاہیے۔

اور اگر بیوٹی پارلروں میں کام کرنے والے مرد ہوں یا ان کا وہاں آنا جانا ہو تو

پھراس کے حرام ہونے اوراس پر خدا کی لعنت برسنے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے؟

بیوٹی پارلر میں جا کرایسی بے حیا، بے شرم اور گناہ گار عورتوں سے اپنے کوسنوارنا اورمزین کرنا مسلمان خواتین کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں؛ بلکہ گھر پر ہی جو کچھ ہوسکے اس سے اپنے آپ کوآراستہ وپیراستہ کرنا چاہیے، اسی میں ان کے لیے دنیاوآخرت دونوں جہاں کی بھلائی اورکامیابی ہے۔

زیب وزینت کیجیے اورضرور کیجیے؛ لیکن اس میں اتنا بھی حد سے آگے نہ بڑھیے کہ اپنے بجٹ کا بھی خیال نہ رہے اوراپنے والد یا شوہر کے خون پسینہ کی کمائی بے دردی سے ضائع کردیں۔ (عورت کے لیے بناؤ سنگار کے شرعی احکام:۱۸-۲۰)

''آپ کے مسائل اوران کا حل'' نامی کتاب میں بلیچ کریم کے استعمال کی بابت ایک سوال وجواب درج ہے جوحسبِ ذیل ہے:

سوال: یہ ہے کہ عورتوں کے منہ پر کالے بال ہوتے ہیں جس سے منہ کالا لگتا ہے اورایک کریم آتی ہے جس کولگانے سے بال جِلد کی رنگت جیسے ہوجاتے ہیں اورلگتا نہیں کہ چہرے پر بال ہے، اس کو''بلیچ کرنا'' کہتے ہیں، کیا اس طرح بال کے رنگ کو بدلنے سے گناہ ہوتا ہے؟ اگر چہرہ سفید اور بال کالے ہوں تو چہرہ برالگتا ہے؛ اس لیے لڑکیاں اورعورتیں بلیچ کرتی ہیں توکیا یہ کرنا براہے؟

جواب: عورتوں کے لیے چہرے کے بال نوچ کرصاف کرنا، یاان کی حیثیت تبدیل کرنا جائز ہے۔ (۱۳۵/۷) (محمود الفتاویٰ گجراتی:۴۲۹/۲-۴۳۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: جس لڑکے یا لڑکی کی شادی ہو، اُسے ایک ہفتہ یا چندروز قبل گھر ہی میں رکھا جاتا ہے، باہر نکلنے نہیں دیا جاتا، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

یہ ایک رواج اور رسم ہے، شرع سے ثابت شدہ کوئی چیز نہیں، نبیٔ کریم ﷺ کے دو نکاح سفر کی حالت میں ہوئے ہیں: پہلا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو غزوۂ خیبر سے واپسی میں ہوا تھا۔ دوسرا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سفرِ عمرۃ القضا میں ہوا تھا، اگر نکاح سے آٹھ روز قبل سے گھر میں بیٹھنا کوئی شرعی چیز ہوتی تو حضور ﷺ ضرور اِس کا خیال رکھتے۔

پُرانے زمانے میں شادی سے دس بارہ روز قبل ہی لڑکی کو گھر کے ایک کونے میں چارپائی پر بٹھادیا جاتا تھا اور اُبٹن (ہلدی وغیرہ کا لیپ) وغیرہ کی مالش کی جاتی تھی، جسے ''مائیوں بٹھلانا'' اور ''مانجھے بٹھلانا'' کہا جاتا تھا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہشتی زیور کے چھٹے حصے میں ''شادی کی رسموں کے بیان'' میں اِس کی خرابیاں مفصل بیان فرمائی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: دُلہن کو سنوارنے میں اب ہمارے یہاں اکثر و بیشتر بیوٹی پارلروں کی مدد لی جاتی ہے، جس میں مخصوص قِسم کی بالوں کی وَضع (Hair Style) بنائی جاتی ہے اِس میں کچھ کچھ بال کاٹنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، ساتھ ہی آئی برو (Eyebrow) بھی کرایا جاتا ہے اور اِس میں نیل پالش وغیرہ اشیا بھی استعمال ہوتی ہیں اور شادی کے دن دُلہن کو سنوار کر بٹھادیا جاتا ہے جس میں نمازیں قضا بھی ہوتی ہیں، عِلاوہ ازیں دُلہن کو خوشبو لگائی جاتی ہے، اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

دُلہن کو سنوارنا ایک جائز عمل ہے؛ لیکن اس میں شریعت کی مقرر کردہ حدود کی

پابندی ضروری ہے، دلہن کی ماں، بہنیں حدودِ شرع میں رہ کر جائز طریقے سے سنواریں تو اِس میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اس کے لیے بیوٹیشین کی خدمات حاصل کرنا جائز نہیں، اسلامی تعلیمات کی توہین کے مُرادِف ہے۔

بیوٹیشین اگر مرد ہے تو اِس کا حکم تو بالکل ظاہر ہے کہ لڑکی کا پورا بدن ستر ہے، سر سے لے کر پاؤں تک جسم کے ایک بال کے بہ قدر حصہ بھی اجنبی مرد کے سامنے کھولنا حرام ہے؛ بلکہ جو بال ٹوٹ کر کنگھی میں آجاتے ہیں اور کٹے ہوئے ناخن بھی ایسی جگہ ڈالنا منع ہے جہاں نامحرم مرد کی نظر پڑے، ایسا کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ (بہشتی زیور: ۳/ ۶۳) لہٰذا مرد بیوٹیشین کو تو سنوارنے کے لیے بلانا حرام ہے۔

اور اگر وہ بیوٹیشین عورت ہے تو اتنا یاد رہے کہ غیر مسلم عورتوں سے بھی ویسا ہی پردہ کرنا ضروری ہے جیسا اجنبی مرد سے کرنا ضروری ہے، سر سے لے کر پاؤں تک جسم کا کوئی بھی حصہ جیسے پَرائے مرد کے سامنے کھولنا حرام ہے، اسی طرح غیر مسلم عورت کے سامنے بھی کھولنا ناجائز اور گناہ ہے (بہشتی زیور: ۳/ ۶۴) لہٰذا بیوٹیشین عورت – جو غیر مسلم ہو– کو دلہن سنوارنے کے لیے لانا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

اب رہ گئی بات بیوٹیشین خاتون کی جو مسلمان ہو تو اگر وہ جائز طریقے سے آرائش کرتی ہے تو گنجائش ہے؛ ورنہ وہ بھی جائز نہیں، آپ نے سوال میں آرائش کے بعض طریقوں کا تذکرہ کیا ہے، اس پر بحث کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے:

سب سے پہلی بات بالوں کی وضع، جس کے لیے بالوں کو کاٹا جاتا ہے تو یاد رہے کہ عورت کے لیے بال کا کاٹنا منع ہے، ”بہشتی زیور“ میں ہے کہ: عورت کو سر منڈانا، بال کتروانا حرام ہے، حدیث میں لعنت آئی ہے۔ (۱۱/ ۱۱۶) اور بعض بعض جگہوں سے

کتروانا تو مرد کے لیے بھی جائز نہیں۔ (۱۱/۱۱۶) تو پھر عورت کے لیے کیوں کر جائز ہوسکتا ہے جسے بالکل بال کاٹنے سے منع کیا گیا ہے؟

آئی برو(Eyebrow) کرنے میں آنکھ کی بھنوؤں کے بال اُکھاڑ کر اُنھیں پتلا اور دھار دار بنایا جاتا ہے۔ حدیثِ پاک میں ایسی عورتوں پر جو یہ کام کریں اور کرائیں، لعنت آئی ہے۔ (بخاری: ۲/۸۷۹)

نیل پالش کے ذریعے ناخنوں کو لال کرنا بھی جائز نہیں؛ بلکہ اس کی وجہ سے ناخنوں پر اُس پالش کی تہہ جم جاتی ہے اور وضو یا غسل میں جب ناخنوں پر پانی ڈالا جاتا ہے تب نیل پالش کی وجہ سے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچتا ہے جس کی وجہ سے وضو یا غسل صحیح ہی نہیں ہوتا اور نمازیں بھی نہیں ہوتی، عورت ناپاک کی ناپاک ہی رہتی ہے، علاوہ ازیں نیل پالش میں ناپاک اشیا کی آمیزش ہوتی ہے اور وہی ناپاک ہاتھ کھانے وغیرہ میں استعمال کرنا گندگی کا کام ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲/۷۴-۷۵)

اللہ تعالیٰ نے عورت کے اعضا میں قدرتی حسن رکھا ہے، اسے غیر قدرتی اشیا کے ذریعے ختم کرنا کون سی دانش مندی ہے؟

لِپ اِسٹک کے ذریعہ ہونٹ سرخ کیے جاتے ہیں، بہت سے ماہرین نے تحقیق وریسرچ کے بعد اعلان کیا ہے کہ: اِس میں خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے، اُن کے مطابق لپ اسٹک کی کوئی قسم اس سے خالی نہیں؛ چاہے ولایتی ہو یا غیر ولایتی، خواہ معمولی ہو یا اعلیٰ ہو، ہر ایک کی صنعت میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے۔ (رضوان جنوری ۱۹۹۳ء ص: ۵۸)

نیز اگر لپ اسٹک کو وضو یا غسل کے وقت ہونٹوں سے نکالا نہ جائے تو وضو اور غسل بھی درست نہیں ہوتا، عورت ناپاک ہی رہتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۷)

بلکہ نیل پالش دور کیے بغیر مُردے کو دیا ہوا غسل بھی صحیح نہیں ہوتا اور اِس کی وجہ سے اُس پر پڑھی ہوئی نمازِ جنازہ بھی نہیں ہوتی۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۲۲۷)

اور اگر نمازِ جنازہ پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ اس مُردہ خاتون کی نیل پالش دور کیے بغیر غسل دیا گیا ہے تو اُس کے لیے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھنا ہی جائز نہیں ہے۔

خوشبو لگانا بھی اس لیے درست نہیں کہ دُلہن کو لگائی جانے والی خوشبو کی مہک اُس کے شوہر (دولہے) تک محدود نہیں رہتی؛ بلکہ اس کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے نامحرم مرد اُسے لگائی ہوئی خوشبو سونگھ کر فرحت محسوس کرتے ہیں۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے سامنے سے گزرتی ہے؛ تاکہ وہ فرحت محسوس کریں؛ وہ عورت زنا کار ہے، اور ہر وہ آنکھ جو اسے دیکھے زنا کار ہے۔ (شامی وغیرہ، حجاب: ۸۵)

دلہن کو سنوار کر اِس طرح بٹھائے رکھنا کہ نمازیں قضا ہو جائیں کبیرہ گناہ ہے۔ ''فضائلِ نماز'' کے دوسرے باب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے وہ تمام احادیث لکھی ہیں جن میں نماز کے ترک پر وعید آئی ہے: نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ: بندے کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز کو چھوڑنا ہے۔ (فضائلِ نماز: ۲۰۷)

ایک اور حدیث میں ہے کہ: جان کر نماز نہ چھوڑو، جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔ (فضائلِ نماز: ۲۰۸)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہو گئی وہ ایسا ہے کہ گویا اُس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔ (فضائلِ نماز: ۲۱۰) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

(سوال): ہمارے علاقے میں نکاح کے بعد دولہے کی ملاقات کی جاتی ہے، بہت سی جگہوں پر دولہا کھڑا ہوکر زور سے سلام کرتا ہے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد دولہے کو دعا اور مبارک باد دی جائے، یہ بات آں حضور ﷺ سے مختلف الفاظ میں ثابت ہے، ایک انصاری صحابی کا نکاح پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے اُنھیں اِن الفاظ میں دعا دی:

عَلَى الْاُلْفَةِ وَالْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَالطَّيْرِ الْمَيْمُوْنِ وَالسَّعَةِ فِيْ الرِّزْقِ.

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ اِس نکاح کو) باہمی جوڑ، بھلائی، برکت، خوش قسمتی اور بابرکت روزی والا بنائے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا بِالْخَيْرِ. (فتح الباری: ۹/ ۱۸۲، عمدۃ القاری: ۲۰/ ۱۴۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر برکتیں اُتارے اور تم دونوں میں خوب جوڑ پیدا کرے۔

اگر کوئی شخص دولہے کو دعا اور مبارک باد دینے کے لیے اُس سے مصافحہ کرے تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اسے سنت نہ سمجھے۔

دولہے کا نکاح کے بعد کھڑے ہوکر سلام کرنا ثابت نہیں ہے، محض ایک رواج ہے جو قابلِ ترک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

(سوال): شادی کے موقع پر رشتے داروں کا روٹھنا اور منانا ہوتا ہے، ناراض رشتے داروں کو منانے کے لیے جاتے ہیں اور اندرونی طور پر دشمنی رکھنے والے اَعِزّہ بھی اس موقع پر انتقام کا جذبہ رکھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

اعزہ واقربا میں کسی وجہ سے پہلے سے کبیدگی اورناراضگی چلی آئی ہواس صورت میں خاندان میں آئی ہوئی اس شادی کی تقریب سے فائدہ اٹھا کراس کبیدگی اورناراضگی کودورکرنے کے لیےمحنت اورکوشش کی جائےتو یہ شرعاً منع نہیں ؛ بلکہ باہمی اتحادواتفاق از روئے شرع لازم وضروری ہونے کی وجہ سےاس کے لیے کی جانے والی محنت اور کوشش قابلِ تحسین وتعریف ہے؛البتہ دل میں دشمنی رکھ کرایسے موقع پرانتقام کا جذبہ رکھنا شرعا گناہ اورقابلِ ترک ہے،کینہ رکھنے والے کے لیے حدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔لیلۃ القدراور دیگر مبارک راتوں میں جب سب کی بخشش کردی جاتی ہے،تب بھی ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی عام بخشش سے محروم رکھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ ''فضائلِ رمضان'' میں تحریرفرماتے ہیں:

آج جولوگ دوسروں کا وقارگھٹانے کی فکرمیں رہتے ہیں،تنہائی میں بیٹھ کرغورکریں کہ خودوہ اپنے وقارکوکتنا صدمہ پہنچارہے ہیں؟اوراپنی ان ناپاک اورکمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں کتنے ذلیل ہورہے ہیں اورپھردنیا کی ذلت بدیہی۔(ص:۴۲)

بعض لوگ اسی انتقامی جذبے کی وجہ سے ولیمہ وغیرہ کی دعوت میں بھی نہیں جاتے ہیں،اسی وجہ سے حدیث میں دعوتِ ولیمہ میں جانے کی خوب تاکید آئی ہے،اسی وجہ سے اکثرعلما ایسی دعوتِ ولیمہ میں حاضری کوواجب کہتے ہیں؛البتہ اگردعوت کی جگہ پرخلافِ شرع کام ہوتے ہوں (مثلاً: موسیقی، ویڈیواوربینڈباجہ،مردوں اورعورتوں کا اختلاط وغیرہ) تووہاں نہ جائے۔(فیض الباری وغیرہ)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: نکاح کے بعدنسبتی بھائی اپنے بہنوئی کی چپل چھپاتا ہےاوراس کے

عوض پیسے مانگتا ہے، نیز مجلسِ نکاح میں نسبتی بھائی دودھ کولڈرنک (Cold Drink) یا مٹھائی لاکر اپنے بہنوئی کو کھلاتا اور اس کے عوض پیسے مانگتا ہے، ایسے پیسے لینے اور دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

یہ دونوں امور رسمِ محض ہیں جس سے بچنا چاہیے، دینے والے کی ناراضگی کے باوجود اس سے پیسے نکلوانا شرعاً جائز نہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: کسی مسلمان کا مال اُس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ (مشکوٰۃ) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: ہمارے یہاں نکاح کے بعد دولہا دولہن کے گھر جاتا ہے، جس میں اُس کے دوست بھی ہوتے ہیں، لڑکی والوں کے یہاں - جہاں خواتین کا بڑا مجمع ہوتا ہے- یہ لڑکے اور دوست جاتے ہیں، جہاں دلہن فریق کی عورتیں دولہے کو سلامی دیتی ہیں، نیز اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر انگلیاں چٹخاتی ہیں، جسے محبت کی علامت یا فالِ نیک سمجھا جاتا ہے، علاوہ ازیں لڑکی کی سہیلیاں اور اس کی دیگر رشتے دار عورتیں اپنے ہاتھوں سے لڑکے کو پیسے دیتی ہیں، جس میں دوسرے دوستوں کو ہنسی مذاق کا زرّیں موقع مل جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

دولہے کو ایسی جگہ بلانا جہاں نامحرم عورتوں کا مجمع ہو بڑا گناہ اور بے حیائی ہے، اجنبی عورتوں کا اس طرح مردوں کے سامنے آنا شرعاً انتہائی خطرناک ہے، دولہے کے ساتھ اس کے دوستوں کا جانا اور دوسری جانب دلہن کی سہیلیوں کا ساتھ مل کر دولہے اور اس کے دوستوں کے سامنے آنا عظیم فتنہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ لعنت

کرے دیکھنے والے پر اور جسے دیکھا جائے اُس پر۔ (مشکوٰۃ: ۲۷۰)

حدیث شریف میں ہے: جو عورت گھر سے خوشبو لگا کر اس طرح نکلے کہ اُس کی خوشبو کی مہک اجنبی مردوں تک پہنچے تو وہ زانیہ ہے۔

حضرت تھانویؒ نے شادی وغیرہ تقریبات میں عورتوں کے جانے، نیز ان کے اجتماع میں کتنے اور کیا کیا مفاسد اور گناہ ہیں، ان کا مفصَّل تذکرہ ''بہشتی زیور'' میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اختری بہشتی زیور: ۱۶/۶)

ہمارے یہاں تو اس کے مفاسد حضرت تھانویؒ کے ذکر کردہ مفاسد سے بہت زیادہ ہیں، آج کل کے جوان مردوں اور عورتوں نے شادی کو اپنانے، پیار کو ترقی دینے، یا پیار کا نیا باب شروع کرنے، یا ناجائز تعلقات پیدا کرنے کا آسان وسیلہ بنالیا ہے، قوم کے بزرگوں، دانش مندوں اور علمائے کرام کو ساتھ مل کر شادی کے مواقع پر ہونے والی بے حیائیوں کو ختم کرنے کے لیے مؤثّر اِقدامات کرنے کی ضرورت ہے؛ ورنہ ڈر ہے کہ ایسی تقریبات آگے چل کر زناکاری کے اَڈے نہ بن جائیں، اللہ تعالیٰ ملتِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائے۔

خواتین کا دولہے کی سلامی کے طور پر اس کے سر پر انگلیاں چٹخانا ناجائز اور حرام ہے۔ اجنبی مرد کے جسم کو اس طرح چھونا گناہ ہے، نیز اسے محبت کی علامت یا شگون سمجھنا تعلیماتِ نبوی کی کھلی توہین ہے۔ حدیث میں ہے کہ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: لڑکی کی رخصتی کے وقت لڑکے والے فریق کی عورتیں، لڑکی والوں کے یہاں سے ایک آدھ برتن اٹھالیتی ہیں اور اسے اپنا ہنر سمجھتی ہیں اور یہ رواج پابندی

سے پورا کیا جاتا ہے، بعد میں برتن واپس کرنا، نہ کرنا، دونوں طرح کا رواج ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اس طرح خفیہ طریقے سے لڑکی والوں کے یہاں سے برتن اٹھالینا چوری کے حکم میں ہے، ابتداء برتن بطورِ مذاق لیا گیا؛ لیکن بعد میں اگر واپس کر دیا گیا، تب بھی اس طرح اٹھا کر لے جانے کے بعد جب گھر والے اپنا برتن نہیں دیکھیں گے تو وہ یہ سمجھ کر کہ ہمارا برتن چوری ہو گیا، پریشان ہوں گے اور اس طرح مسلمان کو تکلیف دینے کا گناہ عائد ہوگا جس کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لکڑی مذاقاً نہ اٹھائے۔ (مشکوٰۃ: ۲۵۵) اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ (حاشیۂ مشکوٰۃ) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: جب لڑکی کی رُخصتی ہوتی ہے تب وہ اپنے اعزہ واقربا کو لپٹ کر روتی ہے، اس موقع پر محرم، غیر محرم کا کوئی فرق ہی نہیں رہتا، اس کی توضیح فرمایئے گا۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اس طرح سب کے سامنے ہی لپٹ کر رونے سے جو بے پردگی ہوگی وہ ظاہر ہے، ساتھ ہی نامحرم سے اس طرح لپٹنا حرام ہے۔ غیر محرم (مثلاً: چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائی وغیرہ) تو اجنبی مرد ہی کے حکم میں ہیں، اُن سے لپٹ کر فعلِ حرام کا ارتکاب کرنا بڑا خطرناک ہے۔

اس طرح لپٹنے میں اور بھی بہت سے خطرات ہیں، جو حضرات حرمتِ مصاہرت کے مسائل جانتے ہیں اُنھیں اِن خطرات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

دوسرے اس طرح لپٹ لپٹ کر رونے میں بسا اوقات محض دکھاوا اور بناوٹ ہی ہوتی ہے۔ ممکن ہے بعض (مثلاً: ماں باپ) کو جدائی کا قلق ہو؛ مگر اکثر تو رسم ہی پورا کرنے کو روتے ہیں کہ کوئی یوں کہے گا کہ: اِن پر لڑکی بھاری تھی، اُس کو دفع کر کے خوش ہوئے اور جھوٹا رونا ناحق کا فریب ہے، جو کہ عقل اور شرع دونوں کے خلاف اور گناہ ہے۔ (بہشتی زیور: ۶/۳۱) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: شادی کے وقت بعض مسلمان خاندانوں میں لیمو، انڈے، ناریل وغیرہ تین دن تک رکھے جاتے ہیں اور چاروں جانب انڈے پھینکے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ: اس سے نظرِ بد نہیں لگتی۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

یہ سب شگون اور ٹوٹکے ہیں، جو علاوہ خلافِ عقل ہونے کے شرک کی بات ہے۔ (بہشتی زیور: ۶/۳۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: لڑکے کو نکاح کے وقت ہاتھ میں پھول کی کلغی دی جاتی ہے یا پھول کا ہار پہنایا جاتا ہے جواز روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

نوشے کے سہرے اور گجرے وغیرہ اِصالۃً ہندوستان کے ہندوؤں کی رسمیں ہیں جو کہ بے علم اور بے عمل اور نو مسلم خاندانوں میں باقی رہ گئی ہیں اور اُن کی صحبت سے دوسرے اس قسم کے غیر پابندِ شرع اور غیر محتاط مسلمانوں میں سرایت کر گئی ہے؛ اس لیے یہ واجب الترک ہیں۔ ہندوستانی علما وفقہا نے ان کو تشبُّہ کی بنا پر منع فرمایا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت

مولانا اشرف علی صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہم اللہ کی تحریرات میں ان کی ممانعت موجود ہے۔ ان سب کے استاذ الاساتذہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے فتاویٰ میں بھی ان کو منع کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۸/۱۰) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شادی میں سہرا باندھنا

سوال: شادی کے وقت ایک رسم ہے کہ دولہا کو سہرا باندھا جاتا ہے، یہ سفید کوڑیاں کی الگ الگ تاریں ہوتی ہیں، وہ دولہا اپنے سر پر باندھتا ہے اور تاریں منہ پر آجاتی ہیں، ایک طرح کی زینت ہے پھول وغیرہ کی طرح؛ مگر رسماً کیا جاتا ہے، کوئی کرنے اور نہ کرنے سے ثواب یا گناہ نہیں جانتا ہے۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

سہرا چوں کہ کافروں کی رسم ہے؛ اس لیے خلافِ شرع ہے۔ (بہشتی زیور: ۲۵/۶)

''من تشبه بقوم فهو منهم'' حدیث میں وارد ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۱۱۶/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

مرد کے لیے مہندی لگانا

سوال: اور شادی کے وقت پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

مرد کے لیے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز نہیں ہے، عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ایسے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں حدیث میں لعنت آئی ہے۔ (مشکوۃ: ۳۸۰) (محمود الفتاویٰ اردو: ۱۱۷/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

پیٹھی لگانا

سوال: اور دولہا کو دوست واحباب پیٹھی کرتے ہیں، وہ ہمارے راجستھان میں چند چیزیں: تیل اور سفید مٹی اور ہلدی وغیرہ ملا کر دولہا کو بدن پر ملتے ہیں، جس سے میل دور ہو جاتا ہے اور بعد میں صابون لگا کر نہلاتے ہیں، یہ رسماً کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

یہ بھی رسم ہے۔ (اصلاح الرسول: ۵۴) (محمود الفتاویٰ اردو: ۱۱۷/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

دولہے کو اونٹ پر بٹھانے کی رسم

سوال: دولہا کو بٹھا کر اونٹ دوڑائے جاتے ہیں یہ ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

یہ بھی ایک رسم ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (کفایت المفتی: ۶۵/۹) (محمود الفتاویٰ اردو: ۱۱۷/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور کٹار دینا

سوال: شادی کی بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور ہاتھ میں کٹار دینا؛ (یعنی دعوتِ طعام کے بعد کچھ رقم دعوتی شخص کو دینا لازم ہوتی ہیں)، کیا یہ تمام جائز ہیں؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

یہ سب ہندوانہ رسوم ہیں، ''من تشبه بقوم فهو منهم''. (الحدیث) کی بنا پر ان کا ترک لازم ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۱۳۲/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

عبادت اور سنت سمجھ کر کرنا بدعت ہے جیسا کہ اکابر کے فتاویٰ میں ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۲۶۰) (محمود الفتاویٰ اردو: ۴/۱۲۰) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

خلافِ شرع شادی میں علمائے کرام کی شرکت

سوال: خلافِ سنت شادیوں میں مفتیانِ کرام اور علمائے کرام کا حاضر ہونا کیسا ہے؟ جس میں عورتوں کی بے پردگی، ویڈیو، میز کرسی پر کھانا اور ہوٹل میں روم کرایہ پر رکھنا وغیرہ امور انجام پانے والے ہوں، ایسی شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

پہلے سے اطلاع ہو کہ فلاں جگہ شادی میں شریعت کے منع کردہ افعال ہوں گے تو اس میں حاضری دینے سے انکار کر دینا چاہیے، خصوصاً مقتدیٰ (علما، امام وغیرہ) حضرات کو تو اس میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۲۵۹-۲۶۰)

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا ناجائز نہیں؛ مگر زمین پر بیٹھ کر کھانا اقرب الی السنہ ہونے کی وجہ سے سنت پر عمل کا ثواب بھی ملتا ہے؛ لہٰذا جہاں تک ہو سکے یہی کوشش کرنی چاہیے کہ زمین پر بیٹھ کر کھائے، اس کے باوجود میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے؛ لہٰذا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے والوں پر نکیر کرنا جائز نہیں۔ (اصلاحی خطبات)

ہوٹل میں روم کرایہ پر لینا بھی جائز ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/۱۳۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

ڈھول باجے والی شادی میں شریک ہونا

سوال: ہمارے یہاں شادیوں میں ڈھول، میوزک، گانے بجانے کا رواج ہے، اب سوال یہ ہے کہ میرے نسبتی بھائی کی شادی ہے اور میری اہلیہ اس کے بھائی کی شادی میں جانے کی مجھ سے اجازت مانگ رہی ہے، اگر میں اپنی اہلیہ کو اس کے بھائی کی شادی میں نہ جانے دوں تو رشتے داری ٹوٹتی ہے اور اگر جانے دوں تو خود گنہگار بنتا ہوں؛ لہٰذا شرعی اعتبار سے کچھ حل بتائیے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

آپ ان کو ایسا کہہ دو کہ: شادی میں ڈھول، باجا بجانا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اگر تم ایسا کروگے تو میں آپ کے وہاں شادی میں نہیں آؤں گا، رہ گئی بات آپ کی اہلیہ کی تو آپ اس کو تاکید کردو کہ: شادی میں جہاں یہ کام ہوتے ہوں وہاں سے وہ ہٹ جائے اور اس میں حصہ نہ لے؛ بلکہ اس وقت گھر کے کسی کونے میں بیٹھ کر نماز، دعا وغیرہ میں مشغول رہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۵۳۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

دروازہ بند کرنے کی رسم

سوال: نکاح اور رخصتی کے بعد لڑکی جب سسرال پہنچتی ہے تو سسرال والے عموماً لڑکے کی بہن یا چھوٹا بھائی گھر کا دروازہ بند کرلیتا ہے اور پھر کسی چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ رواج کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اسے بھی ایک غیر اسلامی رواج ہونے کی وجہ سے چھوڑنا ضروری ہے، اِس کا

مطلب تو یہ ہوا کہ جب تک ہماری فیس یا جُرمانہ ادا نہ کروگے تب تک دلہن کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں گے، انعام کے لیے یہ بھی ایک نوع کی زبردستی ہے۔ (بہشتی زیور: ۶/۳۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

اجتماعی نکاح کے خرافات

سوال: ہمارے یہاں دو سال سے اجتماعی نکاح کا انتظام ہو رہا ہے جس میں کچھ ناجائز کاموں کا ارتکاب ہو رہا ہے، مثلاً: اس کا ویڈیو ریکارڈ ہوتا ہے اور ٹی وی چینل والوں کی طرف سے بھی اس کا ریکارڈ کیا جاتا ہے اور جہاں سے علمائے کرام بیان کرتے ہیں ان کے بھی کھلے عام فوٹو کھینچے جاتے ہیں، تو کیا شریعت شادی جیسی عبادت میں ان چیزوں کی اجازت دیتی ہے؟ اور دین دار افراد اور علمائے کرام کا ایسی مجلسوں میں شرکت کرنا جائز ہے؟ جب کہ پہلے سے خبر ہوتی ہے کہ یہ چیزیں ہونے والی ہیں اور ان خرافات کا سبب منتظمین یہ بتلاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے چندہ جمع کرنا آسان ہو جاتا ہے، بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

سوال کی تحریر کے مطابق آپ خود ہی ان کاموں کو ناجائز سمجھ رہے ہیں تو پھر پوچھنے کی کیوں ضرورت پڑی؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا، کسی بھی مسلمان کے لیے ایسی مجلسوں میں جانا جہاں شریعت کے خلاف کام ہو رہے ہوں درست نہیں، علمائے کرام کی ذمّے داری تو اس سے بڑھ کر ہے، ان کی ذمّے داری ہے کہ ایسے کاموں پر روک تھام کی پوری کوشش کریں، شریعت کا ایک اصول ہے کہ مستحب یا جائز کام کرنے میں کسی گناہ کا

ارتکاب کرنا پڑے تو وہ پورا کام ناجائز ٹھہرتا ہے، غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی شادیوں میں مدد کرنے کو ایک جائز اور مستحب کام کہہ سکتے ہیں؛ مگر اس کے لیے چندہ جمع کرنے کے خاطر فوٹو کھنچوانا (جس کا حرام ہونا حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ بتلایا گیا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے حدیثِ پاک میں سخت وعیدیں آئی ہیں) کسی حال میں جائز نہیں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/ ۲۲۷-۲۲۸) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

مجلسِ نکاح کے لیے بہترین جگہ کون سی؟

سوال: مسجد میں نکاح بہتر ہے یا پنڈال میں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

نبیٔ کریم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے کہ: نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں رکھو۔ (مشکوٰۃ: ۲۷۲) مسجد میں نکاح کرنے سے جگہ کی برکت حاصل ہوگی اور وقت کی برکت حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی مناسب ہے؛ تاکہ نور اور خوشی میں اضافہ ہو۔ (حاشیۂ مشکوٰۃ)

وقت کی برکت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں رکھنے کے ساتھ ساتھ جمعہ کے دن رکھے، فقہا نے لکھا ہے کہ مستحب ہے کہ نکاح جمعہ کے دن رکھا جائے۔ (درِّ مختار شامی: ۲/ ۲۸۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شادی کے بعد کی پہلی رات

ضروری بات

شادی کے بعد پہلی رات انسان کی زندگی کے لیے ایک انوکھا موقع ہے، تنہائی میں اپنی دلہن کے ساتھ دو رکعت پڑھ کر محبت، خوشی، اولادِ صالح کے حصول اور فتنہ، طلاق وغیرہ سے حفاظت کی دعا مانگے، صحبت کرنے میں بالکل جلد بازی نہ کرے، جب ملاعَبت کرنے کے بعد عورت پوری طرح آمادہ ہوجائے اس کے بعد ہی صحبت شروع کرے؛ ورنہ عورت کو مکمل طور پر تسکین نہ ہوگی اور عورت کے دل سے شوہر کی محبت کم ہوجائے گی۔

آج کل گھریلو جھگڑوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عورت کو جسمانی تسکین مکمل طور پر حاصل نہیں ہوتی اور صحبت کی بہت زیادہ عادت بھی مضر ہے، اتنا یاد رہے کہ مرد کی مثال راہ گیر کی سی ہے اور راستہ کبھی تھکتا نہیں ہے، چلنے والا تھک جاتا ہے؛ لہٰذا صحبت کے معاملے میں پہلے سے کنٹرول کے ساتھ چلیں، شادی سے قبل دو کتابیں ضرور پڑھ لیں:

① تحفۃ النکاح (از: شیخ الحدیث مولانا ابراہیم صاحب کالیڑوی)۔

② آداب الجماع والمباشرت (از: مولانا مرغوب صاحب لاجپوری)

اِس کے علاوہ نوجوان حضرات اِس رسالے میں شامل دیگر فتاویٰ بھی ضرور پڑھیں اور پڑھائیں۔ شادی سے قبل کسی ماہر عالم سے مل کر شادی کے بعد کی زندگی سے متعلق کھل کر مذاکرہ کرلیں، یہ بھی بہتر ہے۔ (مفتی) محمود (صاحب) بارڈولی

دلہن کے کمرے کوسنوارنا

سوال: شادی کے بعد دولہا، دلہن کی پہلی رات کے لیے کمرے کو زرق برق آراستہ کیا جاتا ہے، جس میں خصوصی پارٹیوں کو کنٹراکٹ دیا جاتا ہے، یا دوست یہ کام کردیتے ہیں اور دیگر دوست رات کو دولہے کے پاس روم میں جاکر دروازہ کھٹکھٹا کر رقم یا مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب تک نہ دے تب تک پریشان کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

جائز حدود میں رہ کر کمرہ کو سنوارنے کی تو اجازت ہے؛ لیکن نام ونمود کے لیے زرق برق کرنے کی اجازت نہیں ہے، نیز فضول خرچی بھی ہے، ریا واسراف دونوں حرام ہیں۔ دولہے کے کمرے میں چلے جانے کے بعد مٹھائی کے مطالبے کے لیے دروازہ کھٹکھٹانا اور مطالبہ پورا کرنے کے لیے پریشان کرنا جائز نہیں، جیسا کہ سنا ہے: مٹھائی کے لیے وصول کی جانے والی رقم بھی معمولی نہیں؛ بلکہ معتد بہ ہوتی ہے، جو دولہے کے لیے اقتصادی بوجھ بنتی ہے، اس طرح لینا حرام ہے۔

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ: کسی مسلمان کا مال اُس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں، سنو! ظلم نہ کرو۔ (مشکوٰۃ: ۲۲۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

رات میں دولہا، دلہن کے مخصوص کمرہ میں دوستوں کا جھانکنا

سوال: بہت سی جگہوں پر خاص دوست شادی کی رات میں دولہا، دُلہن کو دیکھنے کے لیے کمرے میں جاتے ہیں، چھپ کر یا دیگر تدابیر کے ذریعے رُوم میں جھانکتے ہیں، تو یہ دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

یہ انتہائی درجے کا گناہ اور قابلِ لعنت فعل ہے، کسی مسلمان مرد و عورت کے اعضائے مخصوصہ اور ستر کو اس طرح جھانکنا اسلامی تعلیمات کی صاف خلاف ورزی ہے، عام حالات میں بھی جب کسی کے گھر جانا ہو تو بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے کی قرآن شریف میں ممانعت آئی ہے۔ حدیثِ پاک میں نبیٔ کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اجازت لینا اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ بے اجازت جانے سے غلط جگہ نگاہ نہ پڑے۔ ایک شخص نے اس طرح نبیٔ کریم ﷺ کے کمرے میں دروازے کی دراڑ میں سے دیکھنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ ہاتھ میں لوہے کی نوک دار چیز لے کر کھڑے ہو گئے کہ پھر سے اگر دیکھے تو اُس کی آنکھ پھوڑ دیں۔ (بخاری شریف)

اس طرح دیکھنے والے کی آنکھ پھوڑنا بھی بہ وقتِ ضرورت شریعت نے جائز قرار دیا ہے، ایسے کام اسلام کے لیے بدنما داغ ہیں، اُنھیں پہلی فرصت میں چھوڑنا ضروری ہے، حدیث میں لعنت آئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شبِ اول کی کارگزاری سننا، سنانا

سوال: شادی کی پہلی رات کے بعد صبح کو لڑکے کے دوست اور لڑکی کی سہیلیاں رات کی کارگزاری سننے کی مشتاق ہوتی ہیں، دونوں سے شب بیتی سنی جاتی ہے، تو دونوں سے ان کی رات کی بات سننا اور سنانا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

یہ انتہائی بے حیائی بھرا گناہ ہے، سنانے والا، سننے والا اور سننے کی خواہش

رکھنے والا؛ سب سخت گنہ گار ہیں۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: اللہ کے نزدیک سب سے بڑی امانت جس میں انسان خیانت کرے یہ ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کی خفیہ بات لوگوں کے سامنے بیان کرے۔

(ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے براوہ مرد (یا عورت) ہے جو اپنی بیوی (یا شوہر) کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد اُس راز کی بات کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ (مشکوٰۃ:۲۷۶)

اِس حیا سوز رواج سے بچنا بہت ہی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شبِ زفاف میں سب سے پہلے کیا سلوک کرنا چاہیے؟

سوال: نئی نویلی دلہن کے ساتھ دولہے والوں کو کیسے سلوک کرنا چاہیے؟ نیز شبِ زُفاف میں بیوی کو شوہر کے ساتھ اور شوہر کو بیوی کے ساتھ سب سے پہلے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اس کے متعلق سنت سے روشنی دیجیے گا۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہو گیا اور رخصت کرنے کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا، اس کے بعد بہ نفسِ نفیس آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تھوڑا پانی لاؤ؛ چناں چہ وہ ایک لکڑی کے پیالے میں پانی لے کر حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ اُن سے لے لیا اور ایک گھونٹ پانی دہنِ مبارک میں لے کر پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا: آگے آؤ، وہ سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں

تو آپ ﷺ نے اُن کے سینے اور سر پر وہ پانی چھڑکا اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُعِيْذُها بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.

اور اس کے بعد فرمایا: میری طرف پشت کرو؛ چناں چہ وہ پشت کر کے کھڑی ہوگئیں تو آپ ﷺ نے باقی پانی بھی یہی دعا پڑھ کر پشت پر چھڑک دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب رخ کر کے فرمایا: پانی لاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں سمجھ گیا جو آپ چاہتے ہیں؛ چناں چہ میں نے بھی پیالہ پانی کا بھر کر پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: آگے آؤ، میں آگے گیا، آپ ﷺ نے وہی کلمات پڑھ کر اور پیالے میں کلی کر کے میرے سر اور سینے پر پانی کے چھینٹے دیے، پھر فرمایا: پشت پھیرو، میں پشت پھیر کر کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے پھر وہی کلمات پڑھ کر اور پیالے میں کلی کر کے میرے مونڈھوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیے، اس کے بعد فرمایا: اب اپنی دُلہن کے پاس جاؤ۔ لڑکی کی رخصتی کے وقت ایسا کرنا بہتر ہے، داماد کو بھی بلا کر اسی طرح کرے۔

(حصنِ حصین: ۱۶۳، ۱۶۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ: نکاح کے دن حضور ﷺ بعد عشا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور برتن میں پانی لے کر اس میں اپنا لعابِ مبارک ڈالا اور "قل أعوذ برب الفلق إلخ" اور "قل أعوذ برب الناس إلخ" پڑھ کر دعا کی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگے پیچھے حکم فرمایا کہ: اس کو پئیں اور وضو کریں، پھر دونوں صاحبوں کے لیے طہارت اور آپس میں محبت رہنے کی اور اولاد میں برکت ہونے کی اور خوش نصیبی کی دعا فرمائی اور فرمایا: جاؤ! آرام کرو، اگر داماد کا گھر قریب ہو تو یہ عمل کرنا بھی باعثِ برکت ہے۔ (اختری بہشتی زیور: ۶/ ۴۳)

نئی دلہن جب دولہے کے گھر پہنچے تب دولہے کے گھر جو عورتیں موجود ہوں وہ آنے والی دلہن کو دعا دیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب میری والدہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر رخصت کر کے پہنچانے کے لیے آئیں تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کچھ انصاری عورتیں موجود تھیں، اُنھوں نے مجھے دعا دی:

عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ.

تمھاری ازدواجی زندگی بھلائی، برکت اور خوش نصیبی والی بنے۔

پھر جب دولہا پہلی بار اپنی دُلہن کے پاس پہنچے تب اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِي اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَ خَيْرِ مَاجَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَاجَبَلْتَها عَلَيْهِ.

اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر و برکت کا اور اس کی پیدائشی خصلت کی خیر و برکت کا جس پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے، طلب گار ہوں اور اس کے شر سے اور اس کی پیدائشی خصلت کے شر سے جس پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے، پناہ مانگتا ہوں۔ (حصنِ حصین: ۱۶۴)

جب ہم بستری کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے: (یہ دعا ستر کھولنے سے پہلے پڑھ لی جائے):

بِسْمِ اللّٰهِ! اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا.

اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہم دونوں کو شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو عطا فرمائے اس کو بھی شیطان سے بچائیو۔ (حصنِ حصین: ۱۶۵)

جب انزال ہوتو یہ دعا زبان کو حرکت دیے بغیر صرف دل سے پڑھے:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ لِلشَّیْطَانِ فِیْمَا رَزَقْتَنِيْ نَصِیْبًا. (حصنِ حصین:۱۶۵-۱۶۶)

اے اللہ! جو اولاد تو مجھے عطا فرمائے اس میں شیطان کا کوئی حصہ نہ رکھیو۔

امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں صحبت کے بعض آداب تحریر فرمائے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

① مستحب یہ ہے کہ: ''بسم اللّٰہ'' سے اس عمل کی ابتدا کرے، پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کرے، پھر ''اللّٰہ أکبر'' اور ''لا إلہ إلا اللّٰہ'' پڑھ کر یہ دعا کرے:

بِسْمِ اللّٰہِ الْعَلِيِّ الْعَظِیْمِ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً إِنْ کُنْتَ قَدَرْتَ اَنْ تَخْرُجَ ذٰلِکَ مِنْ صُلْبِيْ.

② اس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھے۔

③ صحبت کے وقت قبلے کی طرف سے رخ پھیر لے، قبلے کی طرف رُخ کر کے صحبت نہ کرے۔

④ خود کو اور بیوی کو کپڑے سے ڈھانپ لے، بالکل ننگے بدن صحبت نہ کرے۔

⑤ صحبت سے پہلے محبت آمیز گفتگو کرے اور بوسہ وغیرہ سے عورت کو بھی صحبت کے لیے تیار کرے۔ کسی سابقہ تیاری کے بغیر صحبت کرنے کو حدیث میں پسند نہیں کیا گیا ہے۔

(نوٹ: عصرِ حاضر میں سابقہ تیاری کے طور پر عورت مرد کا عضوِ مخصوص منہ میں لیتی ہے یا مرد عورت کو ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے، اسی طرح مرد عورت کی شرم گاہ کو چومتا چاٹتا ہے، یہ بڑی بے حیائی اور شرعی تعلیم سے بالکل بے جوڑ؛ بلکہ خلاف ہے۔ منہ

اورزبان جیسے محترم اعضا کے ذریعے شرم گاہ کو چاٹنا جانوروں اوراُن میں بھی کتے جیسے ذلیل جانور کا کام ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، ایسے کام سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے)۔

⑥ جب شوہر کو انزال ہو جائے تو فوراً ہی اپنا عضو نکال نہ لے؛ بلکہ ٹھہر جائے؛ یہاں تک کہ بیوی کی ضرورت پوری ہوجائے (اُسے بھی انزال ہوجائے)؛ کیوں کہ کبھی عورت کو انزال دیر سے ہوتا ہے اور اس سے پہلے ہی شوہر کا اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر ہٹ جانا عورت کے لیے باعثِ رنج ہوتا ہے اور بار بار ایسا ہونے سے عورت کی طبیعت میں شوہر کے لیے نفرت کے جذبات جنم لیتے ہیں۔

⑦ بعض علما نے قمری مہینے کی پہلی، آخری اور درمیانی تین راتوں میں صحبت کو پسند نہیں کیا ہے۔

⑧ جمعہ کی رات یا دن میں (نمازِ جمعہ سے پہلے) بعض علما نے صحبت کو مستحب لکھا ہے۔

⑨ چار راتوں کے بعد ایک رات صحبت کرنا عدل کا تقاضا ہے۔

⑩ اپنی یا عورت کی ضرورت کے حساب سے اس مدت میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے، اس کے ساتھ اتنے وقفے سے صحبت کرتے رہنا واجب ہے جس میں اس کی عفت و پارسائی محفوظ رہے۔

⑪ حیض (ماہواری خون) جاری ہو اُس وقت اُس کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح نفاس (بچے کی پیدائش کے بعد آنے والے خون) کے دوران بھی صحبت کرنا حرام ہے، (ایسی حالت میں صحبت کرنے سے مہلِک جلدی امراض میں مبتلا

ہوجانے کا خطرہ ہے)۔

⑫ پیچھے کے راستے میں ضرورت پوری کرنا (یعنی عورت سے لَواطت کرنا) بھی حرام ہے۔

⑬ حیض کی حالت میں اس کے ساتھ ایک بستر پر سونے، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا یا تیار کیا ہوا کھانے پینے کی اجازت ہے، بوسے کی بھی اجازت ہے، صرف صحبت حرام ہے۔

⑭ ایک بار ہم بستری کر کے دوبارہ کرنی ہو تو مرد کو اپنا عضو دھو لینا؛ بلکہ وضو کر لینا بہتر ہے۔

⑮ رات کے آخری حصے میں صحبت کرنا مفید ہے، شروع حصے میں صحبت کرنے کی صورت میں وضو کر کے سوئے، بغیر وضو اور غسل کے سونا مناسب نہیں؛ اگرچہ جائز ہے۔

⑯ جنابت کی حالت میں ناخن کاٹنا، موئے زیرِ ناف لینا، یا سر کے بال کٹوانا مکروہ ہے۔ (احیاء العلوم: ۲/۴۶-۴۷)

پاکی، ناپاکی اور زوجین سے متعلق مسائل گہرائی سے جان لیں، یہ ہر مسلمان جوان مرد و عورت کا دینی فریضہ ہے، اس معاملے میں شرم یا جھجھک نہ رکھیں۔

دینی امور معلوم کرنے کے بارے میں شرم کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ بعض نوجوان پہلی رات کو ایسے محو و غرق ہوجاتے ہیں کہ پوری رات جاگ کر گزار کر فجر کی نماز سے قبل سو جاتے ہیں، جس میں فجر کی نماز قضا ہوجاتی ہے، یہ غلط ہے۔ جس ہم بستری کے نتیجے میں نماز قضا ہوئی ہو، اس سے پیدا ہونے والی اولاد پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

دعوت سے متعلق احکام

شادی سے پہلے دعوت کا حکم

سوال: شادی سے پہلے دن دولہا کے گھر پر بڑی دعوت ہوتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

شادی سے پہلے دن دولہا کے گھر دعوت کا مسنون نہ ہونا ظاہر ہے، اب اگر مسئولہ دعوت رسم ورواج کے طور پر ہوتی ہے تو اس کا ناجائز و بدعت ہونا بھی ظاہر ہے اور اس میں شرکت کی بھی اجازت نہیں اور اگر باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو کھلانے کے لیے نظم کیا گیا ہے، کوئی رسم پیشِ نظر نہیں تو اس کی اجازت ہے۔ (محمود الفتاویٰ: ۳/ ۲۸۹) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح کی دعوت دینا جائز ہے؟

سوال: ایک دو دن قبل شادی کی دعوت دینا کہ فلاں کے وہاں آئندہ کل اتنے بجے نکاح ہے، اسی طرح گاؤں گاؤں دعوت نامہ (Wedding Card) بھیجنا ثابت و جائز ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

جائز ہے، آج کل لوگ کام میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں اور وقت پر اطلاع دینے سے کوئی حاضر نہیں ہوتا؛ لہٰذا انتظامی اعتبار سے پہلے سے دعوت دینے میں کوئی

حرج نہیں ہے، کھانے کی دعوت کا بھی یہی حکم ہے۔

نوٹ: آج کل جو مہنگے مہنگے دعوت نامے، شادی کارڈ(Wedding Card)

کا رواج ہے وہ فضول خرچی ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۲۴-۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

خلوتِ صحیحہ کے بعد ولیمہ

سوال: کیا بغیر جماع کے ولیمہ کرنا جائز ہے؟ یعنی رات کو خلوت تو کی؛ مگر عورت سے جماع نہیں کیا اور صبح ولیمہ کیا۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

خلوتِ صحیحہ کے بعد ولیمہ درست ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۵/ ۳۱۲)

شادی کے موقع سے ہندو بھائیوں کو ہندو رسوئی کھلانے کا حکم

سوال: آج کل مسلم معاشرے میں شادی بیاہ کے موقع پر ہندو بھائیوں کو ہندو رسوئی کے نام سے کھانا بنوا کر کھلایا جاتا ہے، نیز اس میں اپنے مسلمان رشتے دار اور گاؤں کے مسلم بھائیوں کو بھی اسی (ہندو رسوئی) کے عنوان سے دعوت بھیجتے ہیں، تو اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

کیا حقیقت میں ہندو رسوئی کے نام سے کھانا بنوا کر کھلانا ضروری ہے؟

نیز یہ رسوئی ہندو باورچی ہی آکر بناتے ہیں تو اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

غیر مسلموں کے ساتھ معاملاتی اور سماجی تعلقات کی بنا پر شادی کے موقع سے

ان کو دعوت دینا جائز ہے؛ بلکہ اگر یہ نیت رکھی جائے کہ اس طرح وہ اسلام سے مانوس ہوسکیں گے اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو کم سے کم اسلام اور مسلمانوں کے تئیں ان کا رویہ نرم ہوگا تو ان کو دعوت دینا بہتر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا حکم دیا گیا کہ آپ قریشی رشتے داروں کو اسلام کی طرف متوجہ کریں تو آپ نے بنو ہاشم کو جمع فرمایا اور ان کے لیے کھانے کا اہتمام بھی فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہتر نیت کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی کھانے کے لیے مدعو کیا جائے تو درست ہے۔ (ماخوذ از کتاب الفتاویٰ: ۶/ ۲۰۳)

البتہ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی اور محبت کا تعلق حرام ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۵۴۶)

اس موقع سے ان کے رواج کا خیال کر کے شرعی حدود میں رہ کر (یعنی حلال اور جائز طریقہ سے) ایسا کھانا بنوا کر کھلانا جسے وہ شوق سے کھاتے ہیں جائز ہے۔

اپنے عرف اور بول چال میں کھانے پینے کی چیزوں کے تعلق سے کچھ الفاظ مشہور ہے، مثلاً: گوشت وغیرہ سے بنی ہوئی چیزوں کو مسلم رسوئی اور سبزی وغیرہ سے تیار شدہ چیزوں کو ہندو رسوئی کے نام سے جانا جاتا ہے، درحقیقت یہ کوئی مذہبی چیز نہیں ہے؛ بلکہ بعض مذہب کے ماننے والوں میں اس کا رواج ہونے کی وجہ سے اس نام اور الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، مذہبی اعتبار سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جس برادری میں جو چیز زیادہ چلتی ہو وہی اس کو اچھے طریقے سے بنانے میں ماہر ہوتے ہیں، بایں وجہ اگر ہندو رسوئی کے نام سے بنائی جانے والی چیزوں میں اسلامی قانون کے مطابق کوئی حرام، ناجائز یا مکروہ چیز نہ ملائی جاتی ہو تو شرعی اعتبار سے اس کے کھانے اور کھلانے کی اجازت ہوگی۔ (محمود الفتاویٰ

گجراتی: ۵۴۱/۴)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شادی میں روپیہ لینے دینے کی رسم (نیوتہ)

سوال: شادی میں کھانے کے بعد؛ خاص کر سب لوگ جو شادی میں آتے ہیں وہ لوگ دولہے کو روپے دیتے ہیں، باقاعدہ لکھتے ہیں اور بعد میں جب کبھی روپے دینے والوں کے یہاں شادی ہوتی ہے تو وہ اپنی یادداشت وبک میں دیکھ کر جاتا ہے اور روپے دے کر آتا ہے، اتنے یا کم وبیش دیتا ہے۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

اگر یہ بطریقِ اعانت کے ہو اور ریاکاری، نام وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست؛ بلکہ مستحسن ہے؛ مگر طریقۂ مروجہ کی حیثیت بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں، اور بسا اوقات برادری کے زور اور رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے؛ بلکہ اگر پاس نہ ہو تو سودی قرض لے کر دیا جاتا ہے؛ اس لیے ناجائز ہے اور بطورِ قرض دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے تو اس میں اور بھی مفاسد ہیں:

لا يحل مال امرأ مسلم إلا بطيب نفس منه . (رواه البيهقي إلخ، مشکوٰۃ: ۲۵۵، فتاویٰ محمودیہ: ۹۲/۵-۹۳ محمود الفتاویٰ اردو: ۱۱۸/۴)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بن بلائے دعوت میں شرکت

سوال: ہمارے ایک عزیز بن بلائے شادی کی دعوتوں میں شرکت کرتے ہیں، ایسے بڑے گھرانے کی شادیوں میں جہاں کھانا کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میزبان کی رسوائی ہو، ان کا کہنا ہے کہ: یہ اسلامی گناہ نہیں؛ بلکہ سماجی واخلاقی

بدتمیزی ہے اور خدا تعالیٰ اس طرح کی بدتمیزی پر پرسش نہیں کریں گے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

حدیث شریف میں ایک واقعہ ہے کہ: ایک انصاری صحابی - جن کی کنیت ابوشعیب تھی، انھوں- نے اپنے ایک گوشت کا کاروبار کرنے والے غلام سے کہا کہ: تم میرے لیے پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، میں نبیٔ کریم ﷺ کو دعوت دینا چاہتا ہوں؛ چناں چہ کھانا تیار کیا گیا، پھر وہ صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو دعوت پیش کی، اس موقع پر ایک آدمی (جس کو دعوت نہیں دی گئی تھی) ان حضرات کے ساتھ ہولیا، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے دعوت دینے والے صحابی سے فرمایا کہ: اے ابوشعیب! ایک آدمی (مزید بغیر دعوت) ہمارے ساتھ آ گیا ہے، تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر چاہو تو چھوڑ دو (یعنی اجازت نہ دو) اس پر حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: میں ان کو اجازت دیتا ہوں۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ:۲۷۸)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے مشکوٰۃ کے مشہور شارح ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

هذا تصريح منه أنه لايجوز لأحد أن يدخل دار غيره إلا بإذنه، ولا للضيف أن يدعو أحدا بغير إذن المضيف ، قال النووي : ويستحب للضيف أن يستأذن له . . . إلخ. (مرقاۃ:۶/ ۲۵۴)

یعنی آپ ﷺ کا ان صحابی سے اس آدمی کے لیے اجازت طلب کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر دعوت میں شریک ہو اور خود مہمان کے لیے بھی درست نہیں کہ میزبان کی

اجازت کے بغیر کسی کو اپنے ساتھ لے............الخ۔

اِس سے معلوم ہوا کہ آپ کے وہ عزیز جو شادی کی دعوتوں میں بِن بلائے شریک ہوجاتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں سننِ ابوداؤد کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت منقول ہے کہ: جو آدمی کسی کے یہاں دعوت میں بغیر بلائے گیا تو چور بن کر داخل ہوا اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (مشکوٰۃ:۲۷۸)

اس لیے آپ کے اس عزیز کا اپنے اس عمل کو گناہ نہ سمجھنا درست نہیں، ان کو چاہیے کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔ (محمود الفتاویٰ اردو:۳/ ۳۲۳)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاح کے بعد پیش آنے والے مسائل

منکوحہ کے نام کے ساتھ کس کا نام لکھا جائے؟

سوال: جب بچی مدرسہ یا اسکول میں پڑھتی ہے تو اس وقت لڑکی کے نام کے ساتھ اس کے والد کا نام عموماً لکھا جاتا ہے، مثلاً فاطمہ بی بی بنتِ عبداللہ؛ مگر جب لڑکی کی شادی ہوجاتی ہے تو اس کے بعد لڑکی کے والد کا نام اس کے نام کے ساتھ لکھا جائے گا یا اس کے خاوند کا نام لکھا جائے گا؟ شرعی مسئلہ کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

شادی کے بعد اگر عورت کا تعارف باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کرنا مقصود ہو تو باپ کا نام ذکر کریں گے، مثلاً: فلانہ بنت فلاں، اور اگر شوہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے تعارف کرنا مقصود ہو تو شوہر کا نام ذکر کریں گے، مثلاً: فلانہ زوجۂ فلان، مقصود تعارف ہے وہ جس سے حاصل ہوجائے، حدیثِ پاک میں دونوں طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ ''مشکوٰۃ شریف'' میں بحوالۂ ''ترمذی'' روایت موجود ہے:

عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: حسبك من نساء العالمين مريم بنت عمران وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد وآسية امرأة فرعون. (۵۷۳)

دیکھیے! اس روایت میں چار عورتوں کا تذکرہ موجود ہے، جن میں سے تین کی نسبت باپ کی طرف کی گئی ہے اور ایک کی نسبت شوہر کی طرف ہے۔

عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : أريت الجنة ، فرأيت امرأة أبي طلحة ، و سمعت خشخشة أمامي فإذا بلال . رواه مسلم (مشکوٰۃ: ۵۷۴)

دیکھئے! اس روایت میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا والدۂ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے شوہر کی طرف کی گئی۔

عن زينب امرأة عبد الله بن مسعود قالت : قال رسول الله ﷺ : تصدقن يا معشر النساء ! ولو من حليكن . قالت : فرجعت إلىٰ عبد الله فقلت : إنك رجل خفيف ذات اليد و أن رسول الله ﷺ قد أمرنا بالصدقة فأته فاسئله فإن كان ذلك يجزئ عني و إلا صرفتها إلىٰ غيركم؟ قالت : فقال لي عبد الله : بل ائتيه أنتِ ، قالت : فانطلقت فإذا امرأة من الأنصار بباب رسول الله ﷺ ، حاجتي حاجتها ، قالت : وكان رسول الله ﷺ قد ألقيت عليه المهابة ، فقالت : فخرج علينا بلال ، فقلنا له : إئت رسول الله ﷺ ، فأخبره أن امرأتين بالباب تسألانك ، أتجزئ الصدقة عنهما على أزواجهما و على أيتام في حجورهما ؟ و لا تخبره من نحن ؟ قالت : فدخل بلال رضي الله عنه علىٰ رسول الله ﷺ فسأله ، فقال له رسول الله ﷺ : من هما ؟ قال : امرأة من الأنصار و زينب ، فقال رسول الله ﷺ : أي الزيانيب ؟ قال امرأة عبد الله إلخ. (مشكوٰة: ۱۷۱)

اس روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے جو تعارف کرایا اس میں شوہر کی طرف نسبت فرمائی۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۴/ ۴۱۲)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

لڑکی کی رخصتی کا مطالبہ کون کرسکتا ہے؟

سوال: غائبانہ نکاح ہوجانے کے بعد لڑکی کی ماں، بہن، بھائی اور بھاوج ایک ساتھ رہتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم لڑکی کی رخصتی چاہتے ہیں تو شرعی اعتبار سے ہم رخصتی کرواسکتے ہیں یانہیں؟ اس نکاح شدہ لڑکی کی رخصتی کی کوئی اورصورت ہے یانہیں؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

لڑکی کی رخصتی کا مطالبہ شوہر ہی کرسکتا ہے۔(شامی: ۴۴۸/۴) جب شوہر موجود نہیں ہے تو شوہر کی ماں، بہن، بھائی، بھاوج کو اس طرح کے مطالبہ کا حق نہیں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۱۰/۴) فقط والله تعالیٰ أعلم.

شادی کے بعد لڑکا، لڑکی کے گھر رہ سکتا ہے؟

سوال: میرا رشتہ انگلینڈ میں مقیم لڑکی کے ساتھ ہوا ہے، لڑکی کی خواہش ایسی ہے کہ شادی کے بعد میں اس کے ساتھ انگلینڈ میں رہوں، بایں وجہ میں نے ویزا حاصل کرنے کی کوشش کی؛ لیکن ویزا آفیسر کا کہنا ہے کہ اسلام میں شادی کے بعد عورت شوہر کے گھر جاتی ہے تو کیا اسلام میں ایسا ضروری ہے کہ شادی کے بعد عورت شوہر کے گھر ہی رہے؟ کیا وہ دونوں اپنی مرضی کے مطابق جہاں رہنا چاہے نہیں رہ سکتے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

نکاح کے بعد شوہر کو اپنی بیوی پر ایک خاص قسم کی بڑائی حاصل ہوتی ہے اور گھر کے بڑے ہونے کا مقام وہ سنبھالتا ہے؛ لیکن شادی کے بعد لڑکی رخصت ہوکر لڑکے کے گھر ہی جاکر رہے ایسا اسلام میں ضروری نہیں، اگر لڑکا لڑکی کے گھر جاکر رہے

تو وہ بھی اسلامی قانون کے اعتبار سے درست ہے، لڑکے کا لڑکی کے وہاں جا کر رہنا اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے، پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہی گھر میں جگہ دی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں وہیں رہتے تھے۔ (بخاری شریف) (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۲۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

خسر کو باپ کہنا؟

(سوال): ہمارے یہاں مسجد کے اندر ایک مولانا بیان فرما رہے تھے اور بیان حجۃ الوداع کا تھا اور انھوں نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات کے میدان میں فرمایا: اے لوگو! اپنے باپ کے علاوہ کسی کو باپ نہیں کہہ سکتے؛ لیکن ہمارے یہاں اگر کوئی پوچھتا ہے کہ: فلاں کون ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ: وہ میرے خسر ہیں؛ لیکن داماد خود پکارتا ہے تو باپ کہہ کر پکارتا ہے، تو یہ مولانا کے بیان کے مطابق خسر کو باپ کہنا ہوا، تو باپ کہنا کیسا ہے؟ مفتیانِ کرام حدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دیں اور اسی طرح ماں کے بارے میں بھی بتا دیں۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

حدیثِ پاک میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا ترغبوا عن آباءكم فمن رغب عن أبيه فهو كفر. (بخاری: ۱۰۰۱/۲)

یعنی اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو، جس شخص نے (صرف فخر ومباہات کے لیے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ

بھی ایک کفر کی بات ہے۔(ترجمان السنۃ:۲/۳۶۶دارالاشاعت)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

من ادعیٰ إلیٰ غیر أبیه وهو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام .

(بخاری شریف:۲/۱۰۰۱)

یعنی جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کی طرف یہ جانتے ہوئے کرے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو ایسے آدمی پر جنت حرام ہے۔

چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ فخر ومباہات کے طور پر اپنی بڑائی جتلانے کے لیے خود کو اپنے باپ کی طرف نسبت کرنے کے بجائے کسی مشہور شخصیت کی طرف منسوب کرتے تھے؛ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے اس حرکت پر یہ وعید ارشاد فرمائی؛ چناں چہ حافظ ابنِ حجرؒ ان دونوں حدیثوں کی شرح فرماتے ہوئے ابن بطالؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

و إنما المراد به من تحول عن نسبته لأبیه إلیٰ غیر أبیه عالما عامدا مختارا إلخ . (فتح الباری:۱۲/۵۵)

علامہ عثمانیؒ پہلی حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں:

لا ترغبوا عن آباءکم إلخ . یقال : رغب عن أبیه أي ترك الانتساب إلیه وجحده . (فتح الملهم: ۱/۲۳۶)

رہا کسی آدمی کا اپنے کسی خاندانی بزرگ کو تعظیم وتکریم کے طور پر مجازاً باپ کہنا، یہ اس میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ جائز ہے، قرآن وحدیث میں اس کے نمونے موجود ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بوقتِ وفات جب اپنے بیٹوں سے اقرار لیا کہ: تم لوگ

میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ تو بیٹوں نے جواب میں عرض کیا:

﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ (البقرۃ:۱۳۳)

دیکھیے! یہاں آبا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی شمار کردیا؛ حالاں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہیں؛ بلکہ چچا ہوتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقدم اسماعيل في الذكر علىٰ اسحاق عليه السلام لكونه أسن منه، وعدّه من آباء يعقوب عليه السلام مع أنه عمه تغليبا للأكثر على الأقل، أو لأنه شبه العم بالأب لانخراطهما في سلك واحد وهو الاخوة، فاطلق عليه لفظه، ويؤيده ما أخرجه الشيخان: عم الرجل صنو أبيه... والآية علىٰ حد ما أخرجه ابن أبي شيبة وغيره من قوله عليه الصلوٰة والسلام: احفظواني في العباس، فإنه بقية آبائي. (روح المعانی، پ:۱/۱ ۳۰)

اسی طرح قرآنِ پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ [سورۂ انعام:۷۴]

بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، قرآنِ پاک میں مجازاً اس کو باپ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

ومنهم من قال: اسم جده، ومنهم من قال: اسم عمه، والعم و الجد يسميان أبا مجازا. (روح المعانی، پ:۷/ ۱۹۴)

حدیثِ پاک میں غزوۂ حنین کے قصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: "أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب" منقول ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسبت اپنے

داداعبدالمطلب کی طرف فرمائی؛ اس لیے کہ عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی شہرت آپ کے والد عبداللہ کے مقابلے میں زیادہ تھی۔

علامہ عینیؒ ''شرح بخاری'' میں فرماتے ہیں:

وأما انتسابه إلیٰ عبد المطلب دون أبيه عبد الله فلشهرة عبد المطلب بين الناس، بخلاف عبد الله فإنه مات شابا. (عمدة القاري: ۱۷/۲۹۶)

ایک مرتبہ آیتِ کریمہ: ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ إلخ﴾ [آلِ عمران: ۱۷۲] کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

كان أبواك منهم الزبير و أبو بكر.

تمھارے باپ زبیر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں۔

حالاں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے باپ نہیں؛ بلکہ نانا ہوتے ہیں؛ لیکن مجازاً ان پر باپ کا اطلاق کیا گیا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ: و أطلق الأب علیٰ أبي بكر و هو جده مجازا.

(عمدة القاري: ۱۷/۱۶۲) محمود الفتاویٰ اردو: ۴/۷۳۱) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شوہر سعودیہ میں ہو اور اس کی بیوی ہندوستان میں اجنبی مرد کے ساتھ رات گزارے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ایک دیہات میں زید نام کا شخص امامت کر رہا ہے، اور اسی دیہات میں ایک محبوبہ نام کی عورت ایک بڑے وسیع گھر میں رہتی ہے اور اس کے ساتھ میں

ایک بوڑھی عورت بھی رہتی ہے؛ لیکن گھر کافی بڑا ہے اور محبوبہ کے شوہر سعودی عرب میں ملازم اور محبوبہ کے سسر اور دیگر سسرالی رشتے دار بمبئی میں قیام پذیر ہیں۔

ایک رات کا واقعہ تقریباً رات کے دس بجے زید امام صاحب کو محبوبہ کے پچھلے دروازے سے محبوبہ کے گھر میں داخل ہوتے ہوئے ایک شخص نے دیکھ لیا، تو اس دیکھنے والے نے گاؤں کے افراد کو بھی اس کی اطلاع دی، تو گاؤں کے بہت سارے لوگ گھر کے باہر خاموشی کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے، صبح تقریباً پانچ بجے جب زید امام صاحب محبوبہ کے گھر سے باہر نکلنے لگے تو پہرہ دینے والے لوگوں نے ان کو باہر نکلنے سے روکا اور لڑکی کے والدین اور رشتے دار کو بلایا، جو دوسرے گاؤں میں رہتے تھے جو وہاں سے تقریباً ۵ رکلومیٹر کی دوری پر ہے۔

جب محبوبہ کے والدین اور رشتے دار آئے تو ان کو محبوبہ کے گھر میں داخل کیا گیا تو وہاں زید اور محبوبہ دونوں موجود تھے، اس کے بعد دونوں گاؤں کے ذمّے داروں نے بیٹھ کر مشورہ کیا اور محبوبہ اور زید کو بھی بلایا، تو زید نے اقرار کیا کہ: میں رات ۱۰ ربجے پچھلے دروازے سے محبوبہ کے گھر میں گیا تھا اور صبح ۵ ربجے تک ہم دونوں ساتھ رہے اور ساتھ رہنے پر دونوں نے؛ یعنی زید اور محبوبہ نے دستخط بھی کیے؛ لیکن صحبت کرنے کا دونوں نے انکار کیا اور اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور ابھی معاملہ محبوبہ کے شوہر پر رکھا کہ وہ آنے کے بعد جو بھی فیصلہ کرے؛ لہٰذا ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں محبوبہ کے شوہر کو کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟ اور شریعتِ مطہرہ زید اور محبوبہ کے بارے میں کیا حکم لگاتی ہے؟ تفصیل معلوم کرنا ہے، عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا!

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما

زید اور محبوبہ کو صحبت و وطی کرتے ہوئے جب دیکھا نہیں گیا اور دونوں اس کا انکار بھی کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام لگانا شرعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ تہمت ہونے کی وجہ سے گناہِ کبیرہ ہے؛ البتہ دونوں رات کے دس بجے سے لے کر صبح کے ۵ ربجے تک تنہائی میں ایک ساتھ رہنے کا اقرار کرتے ہیں، اجنبی مرد اور عورت کا اس طرح تنہائی میں رہنا شرعاً حرام ہے۔ ''وفي الاشباه: الخلوة بالأجنبية حرام'' (درمختار علی ھامش الشامي: ۵ر ۲۶۰) احادیث میں اس کی ممانعت اور اس پر بڑی وعیدیں آئیں ہیں:

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا! لا يبيتن رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحا أو ذا محرم. (مشکوۃ: ۲۶۸)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سنو! کسی ثیبہ عورت کے پاس کوئی مرد رات نہ گزارے؛ مگر یہ کہ وہ اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم و الدخول على النساء، فقال رجل يارسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت.

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: عورتوں کے پاس جانے سے بچو (ہرگز نہ جاؤ) ایک آدمی نے پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! دیور کے متعلق کیا حکم ہے؟ (یعنی کیا وہ جاسکتا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: دیور تو موت (کی طرح خطرناک) ہے۔ (ایضاً: ۲۶۸)

عن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بإمرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. (ایضا: ۲۶۹)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کوئی مرد جب کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے؛ یعنی شیطان ان کو گناہ میں ڈالنے کے لیے ابھارتا ہے۔

عن جابر رضي الله عنه عن النبي ﷺ: لا تلجوا على المغيبات، فإن الشيطان يجري من أحدكم مجرى الدم. (أيضاً:۲۶۹)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جن عورتوں کے شوہر گھروں پر موجود نہ ہوں (بلکہ سفر میں ہو) ایسی عورتوں کے پاس ہرگز مت جاؤ؛ اس لیے کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے جسم میں ایسا پھرتا ہے جیسا کہ خون۔

مثل الذي يجلس على فراش المغيبة مثل الذي ينهشه أسود من أساود يوم القيامة. (کنز العمال:۵/۵۲۲)

جو آدمی ایسی عورت جس کا شوہر سفر پر ہو اس کے بستر پر بیٹھے تو اس کا حال ایسا ہے جیسے اس کو قیامت کے اژدہوں میں سے کوئی اژدہا ڈس رہا ہو۔

زید اور محبوبہ چوں کہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں؛ اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہ کی معافی چاہیں اور سچے دل سے توبہ کریں، بندہ جب گناہ کرتا ہے اور پھر اس کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ (بخاری شریف:۲/۵۹۶)

رہا یہ سوال کہ محبوبہ کے شوہر کو کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟ تو اس کا جواب صاف ہے کہ ان کا اپنی نوجوان بیوی کو اِس پُرفتن زمانے میں ایک وسیع مکان میں تنہا چھوڑ کر سعودیہ ملازمت کے لیے جانا ہی اس صورتِ حال کا ذمّے دار ہے، شوہر کے لیے بیوی

کی حاجت اور خواہش اور حقوق کا لحاظ ضروری ہے، جس طرح مرد کو عورت کی خواہش ہوتی ہے عورت کو بھی مرد کی خواہش ہوتی ہے؛ بلکہ نسبتاً زیادہ۔

حضرت پیرانِ پیر شاہ عبد القادر جیلانیؒ کی ''غنیۃ الطالبین'' میں ہے کہ مرد کو جماع کی خواہش نہ ہو تب بھی جماع کا ترک کرنا درست نہیں؛ اس لیے کہ عورت کا مرد پر اس بات کا حق ہے اور ترکِ جماع میں عورت کا نقصان ہے؛ کیوں کہ عورت کی خواہش بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں ۹۹ / درجہ زیادہ خواہش ہوتی ہے؛ مگر حق تعالیٰ نے ان پر شرم وحیا کا پردہ ڈال دیا ہے؛ اس لیے شہوت دبی رہتی ہے۔

بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ: شہوت کے دس حصے ہیں، عورتوں کو ۹ / حصے اور ایک حصہ مردوں کو۔ اور بدونِ عذر کے عورتوں سے چار ماہ تک علیٰحدگی جائز نہیں ہے، اور اگر مرد سفر میں چھ ماہ سے زیادہ رہے اور عورت اس کو بلاوے اور باوجود قدرت کے نہ آوے تو حاکم کو چاہیے کہ عورت کی حسبِ خواہش دونوں میں جدائی کردے۔ (غنیۃ الطالبین: ۱ / ۳۳)

اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ: مرد کو چاہیے کہ عورت کی اجازت اور خوشی کے بغیر چار مہینے سے زیادہ جدا نہ رہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگاتے تھے کہ ایک مکان سے جوان عورت کی آواز سنائی دی، وہ شوہر کی جدائی میں یہ شعر پڑھ رہی تھی:

فواللہ ! لولا اللہ تخشی عواقبہ	لزحزح من هٰذا السریر جوانبہ

یعنی قسم بخدا! اگر مجھ کو خوفِ خدا نہ ہوتا تو آج چار پائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ معلوم کی تو کہنے لگی کہ: کافی عرصہ ہوا میرا شوہر جہاد میں گیا ہے، اس کے فراق میں یہ شعر پڑھ رہی تھی، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ محزون ہوئے، گھر آکر اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: عورت شوہر کے بغیر کتنی مدت تک صبر کرسکتی ہے؟ عرض کیا کہ: چار ماہ؛ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمان جاری کیا کہ: شادی شدہ فوجی کو چار ماہ ہونے پر اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی جائے۔ (شامی: ۵/ ۵۴۸، ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ: ۳/ ۱۲۴-۱۲۵)

شوہر نے کمانے کی لالچ میں عورت کے اس طبعی حق کی ادائیگی میں غفلت برتی جس کا یہ نتیجہ نکلا؛ اس لیے شوہر کو چاہیے کہ بیوی کی اس غلطی سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس کو معاف کردے اور آئندہ اس طرح اس سے دور نہ رہے، خود شوہر کی عفت وعزت کی حفاظت بھی اسی میں ہے۔

بستی اور قوم کے ذمّے داروں کو بھی چاہیے کہ وہ جہاں رات بھر پہرہ دیتے رہے، وہیں آئندہ اس کی نوبت نہ آئے اس کی بندش کی تدابیر پر بھی غور کرکے ان کو روبہ عمل لاویں۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۵/ ۳۲۹) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بیوی پر بدگمانی کرنا شیطانی فعل ہے

سوال: میرے دل میں ہمیشہ یہ وہم رہتا ہے کہ میری عورت کا شادی سے پہلے کسی کے ساتھ غلط تعلق ہوگا، ایسا مجھ کو ہمیشہ ہوتا رہتا ہے، میں نے اس کے متعلق

اپنی بیوی کی ہر طرح سے باز پرس کی اور خوب پریشان کیا، پھر بھی مجھ کو لگتا ہے کہ وہ سچ نہیں بولتی، اسی طرح کبھی میں اطمینان سے سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ میری بیوی ایسا نہیں کرسکتی، ہم کو آپس میں خوب محبت ہے، میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، اور وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتی، پھر بھی مجھ کو ایسا شک ہوتا ہے کہ اس کا شادی سے پہلے کسی کے ساتھ غلط تعلق ہوگا، ہماری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں، دو لڑکیاں ہیں، پھر بھی شک کا کیڑا میرے دل سے نہیں نکلتا، یہ شک کا کیڑا میرے دل میں اس وقت داخل ہوا جب کہ میں ایک دن مسجد کے صحن میں سویا ہوا تھا اور ایک خواب دیکھا، یہ واقعہ شادی پہلے کا ہے، آپ میری رہبری فرمائیں۔

کیا میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں؟ اگر طلاق دیتا ہوں تو اس کے بغیر رہنا میرے لیے مشکل ہے، میں اس کو اچھا کھلاتا، پہناتا ہوں اور فی الحال میری بیوی کا کہیں غلط تعلق نہیں ہے، یہ بات بھی میں مانتا ہوں؛ لہٰذا آپ مجھ کو مناسب جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

میاں بیوی کا باہمی جھگڑا اور ان کے دل میں ایک دوسرے کے تعلق سے بدگمانی اور وہم پیدا کرنا یہ شیطان کو بہت پسند ہے، شیطان کسی کام سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا کہ میاں بیوی کے باہمی جھگڑے و تکرار سے خوش ہوتا ہے، اسی وجہ سے شیطان کے چیلے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی بھی طریقے سے میاں بیوی میں لڑائی اور نا اتفاقی پیدا کروائیں؛ اس لیے کہ اس کے نتیجے میں دونوں کی دین و دنیا کی بربادی اور خاندانوں میں زہر اور دشمناوٹ پیدا ہوتی ہے اور کتنے ہی لڑکوں کی زندگی برباد ہوتی

ہے اور کتنے ہی گناہوں میں دونوں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آپ کی بیوی کے تعلق سے آپ کے دل میں جو شک پیدا ہو رہا ہے وہ شیطانی وسوسہ اور اس کے چیلوں کی کارگذاری ہے، خواب میں جو کچھ آتا ہے وہ سب سچ ہی ہو ایسا نہیں؛ بلکہ حدیثِ پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے کے مطابق بہت سارے خواب شیطانی اثر کی وجہ سے ہوتے ہیں؛ لہٰذا شادی سے پہلے دیکھے ہوئے اس خواب کی بنیاد پر اپنی پاک دامن عورت کے اوپر شک کرنا بہت ہی زیادہ نادانی اور گناہ کا کام ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بعض گمان غلط ہوتے ہیں، جس گمان کی کوئی مضبوط دلیل نہ ہو وہ گناہ میں شمار ہوتا ہے، آپ کا وہم بھی اسی قبیل سے ہے۔

قیامت کے دن ایسی بدگمانیوں پر گواہ پیش کرنے پڑیں گے، اگر کوئی گواہ پیش نہیں کر پائیں گے تو پل صراط پر روک لیے جائیں گے؛ لہٰذا آپ اپنے اس وہم سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس سے حفاظت کی دعا مانگیے، اللہ تعالیٰ آپ کی ایسے اوہام سے حفاظت فرماویں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

میاں بیوی میں نبھاؤ مشکل ہو تو خلع کر لینا چاہیے

سوال: (الف) ہمارے لڑکے کی شادی لندن میں قریبی رشتے دار سے ہوئی تھی، شادی کے بعد قلیل عرصہ ہی گذرا ہے کہ لڑکی والے اس رشتے کو قائم رکھنا نہیں چاہتے (کافی کوشش کی اور اب تک کوشش جاری ہے) مگر ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں؛ بالآخر وہ لوگ شرعی کونسل میں خلع کے لیے عرضی داخل کرنا چاہتے ہیں، لڑکی حاملہ ہے، خلع کی صورت میں لڑکے کو کیا حق حاصل ہے؟ کیا وہ اس حق کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

(ب) یہ بچہ اپنے باپ سے کب ملاقات کرسکتا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

(الف) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لیے ہو، اس کے ٹوٹنے اور ختم کرنے کی کبھی بھی نوبت نہ آوے؛ کیوں کہ اس معاملے کے انقطاع کا اثر صرف فریقین پر نہیں پڑتا، نسل اور اولاد کی تباہی و بربادی اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے، اور پورا معاشرہ بری طرح اس سے متأثر ہوتا ہے؛ اس لیے جو اسباب اور وجوہ اس معاملے کو توڑنے کا سبب بن سکتے ہیں، قرآن وسنت کی تعلیمات نے ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے۔

زوجین کے ہر معاملے اور ہر حال کے لیے جو ہدایتیں قرآن وسنت میں مذکور ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے؛ ٹوٹنے نہ پائے، ناموافقت کی صورت میں اول افہام وتفہیم کی، پھر زجر وتنبیہ کی ہدایتیں دی گئیں اور اگر بات بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی۔

لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ اصلاحِ حال کی تمام کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں اور تعلقاتِ نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے، ایسی حالت میں اس ازدواجی تعلق کا ختم کردینا ہی راحت اور سلامتی کی راہ ہوجاتی ہے، اس صورت میں اسلام نے طلاق اور فسخِ نکاح کا قانون بھی بنایا۔ (معارف القرآن:۵۵۶ مختصراً)

اگر میاں بیوی میں کسی طرح نباہ نہ ہوسکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر یا اپنا مہر دے کر اپنے شوہر سے کہے: ''اتنا روپیہ لے کر میری جان چھوڑ دے''، یا یوں کہے کہ: ''جو میرا مہر تیرے ذمے میں ہے اس کے عوض میں میری جان چھوڑ دے'' اس کے جواب میں (اسی مجلس میں) شوہر کہے: ''میں نے چھوڑ دی'' تو اس عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ گئی، اس طرح جان چھڑانے کو شریعت کی اصطلاح میں ''خلع'' کہتے ہیں۔ اگر عورت نے کہہ دیا ہو کہ عدت کا خرچہ بھی نہ لوں گی تو وہ بھی معاف ہو جائے گا۔

اگر نباہ نہ ہونے میں قصور مرد کا ہو تو اس کے لیے روپیہ لینا بڑا گناہ ہے اور اگر عورت ہی کا قصور ہو تو جتنا مہر دیا ہے اس سے زیادہ نہ لینا چاہیے، بس صرف مہر ہی کے عوض میں خلع کرے، اگر مہر سے زیادہ لے لیا تو بھی خیر بے جا تو ہوا؛ لیکن کچھ گناہ نہیں۔ (مسائلِ بہشتی زیور: ۱/ ۵۳۴-۵۳۵)

کوئی عورت عدالت سے رجوع کر کے خلع کی بنیاد پر تفریق حاصل کرنا چاہتی ہے تو عدالت شوہر کے خلع پر رضامندی کے بغیر یک طرفہ طور پر جبراً خلع نہیں کرسکتی، اس سے نکاح ختم نہیں ہوتا۔ (ماخوذ از مسائلِ بہشتی زیور: ۱/ ۵۳۶)

(ب) میاں بیوی میں جدائی کی صورت میں گود میں بچہ ہو تو اس کی پرورش کا حق سب سے پہلے ماں کو ہے، ماں لینے پر تیار نہ ہو اور دوسرے لینے پر تیار ہوں تو پھر پرورش کا حق نانی کو ہے، پھر پرنانی کو اس کے بعد دادی کو ہے۔

پرورش کا یہ حق لڑکا سات برس کا ہو وہاں تک ہے، جب سات برس کا ہو جاوے

تو باپ اس کو زبردستی لے سکتا ہے؛ تا کہ وہ لڑکے کی تعلیم وتربیت کر سکے، اور لڑکی نو برس کی ہو وہاں تک یہ حق ماں کو ملتا ہے، اس کے بعد باپ اسے لے سکتا ہے۔ (ماخوذ از مسائلِ بہشتی زیور: ۱/ ۵۵۴، محمود الفتاویٰ گجراتی: ۴ / ۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

خفیہ نکاح کے بعد علی الاعلان دوسرا نکاح

سوال: ایک لڑکا ہے اس کی منگنی ہو چکی ہے؛ لیکن شادی سے پہلے وہ اپنی منگنی شدہ لڑکی سے تنہائی میں باتیں اور مذاق وغیرہ کرتا ہے (جو قطعاً جائز نہیں ہے) لہٰذا یہ شخص اپنی منگنی شدہ لڑکی سے باتیں اور مذاق کرنا جائز قرار دینے کے لیے صرف اپنے دو دوستوں کو بطورِ گواہ، اور منگنی شدہ لڑکی کو تنہائی میں بلا کر نکاح کر لیتا ہے، یہ نکاح صرف میاں بیوی اور دو گواہ کے علاوہ کوئی دوسرا جانتا نہیں ہے، اب وہ روزانہ تنہائی میں منکوحہ سے ملتا ہے اور باتیں مذاق وغیرہ کر لیتا ہے، اب وہ دوسرا نکاح علی الاعلان منکوحہ سے کرتا ہے؛ تا کہ تمام لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، پہلے نکاح کے بعد دوسرا علی الاعلان نکاح کرنے میں کوئی حرج ہے کہ نہیں؟ پہلے نکاح کے صحیح ہونے میں ماں باپ کی ناراضگی مخل ہوگی یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

اگر پہلا نکاح تمام شرائط وارکانِ نکاح پر مشتمل تھا تو وہ درست ہو گیا، اب لوگوں کے علم کے لیے دوبارہ عقدِ نکاح کی ضرورت نہیں ہے، اطلاع کافی ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۴/ ۴۰۰) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

پردے سے متعلق احکام

عصرِ حاضر کے فیشنی برقعے

سوال: آج کل جوخواتین پردہ نشین ہوتی ہیں اُن میں ایک فیشن چلی ہے، پردی پہنتی ہیں جس میں ناک، آنکھ، آدھا چہرہ کھلا رہتا ہے اور برقعہ پر انواع واقسام کے پھول ڈیزائن، دل والے نقش وغیرہ ہوتے ہیں، غرض یہ کہ جاذبِ نظر کپڑے اور ڈیزائن والے برقعے پہنتی ہیں، بعض خواتین فیشن والی ڈبل پردی رکھتی ہیں، جب باہر نکلتی ہیں تب ناک، آنکھ نظر آئے ایسی پردی (نوز پیس) پہن لیتی ہیں۔

غرض یہ کہ آج کل فیشن بہت ہی بڑھ گئی ہے، ہم نے سنا ہے کہ شرعاً یہ برقعے صحیح نہیں ہیں، تو پردہ کیسا ہونا چاہیے؟ اور اسلام میں پردے کی کیا حیثیت ہے؟ آپ شرعی انداز میں مفصل ومدلل باحوالہ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

عورت عربی لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: ''چھپانے کی چیز''، قدرت نے اُس کی تخلیق ہی اِس انداز سے کی ہے کہ اُسے مکمل چھپانے کی چیز کہنا چاہیے؛ اسی لیے خالقِ کائنات نے سخت ضرورت کے بغیر اس کا گھر سے باہر نکلنا مناسب نہیں سمجھا؛ تاکہ یہ گوہرِ آبدار ناپاک نظروں کی ہوس سے گندا نہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ [الأحزاب:۳۳]

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں جم کر رہو اور جاہلیتِ اولیٰ کی طرح زیب وزینت کر کے نہ نکلو۔

’’جاہلیتِ اولیٰ‘‘ سے مراد اسلام سے پہلے کا دور ہے، جب عورتیں بازاروں میں کھلے عام اپنی نسوانیت کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

جاہلیتِ اولیٰ کا لفظ استعمال کر کے پیشین گوئی کی گئی کہ انسانیت پر جاہلیت کا ایک اور دور آنے والا ہے جب خواتین اپنی فطری خصوصیات وامتیازات کے تقاضوں کو ماڈرن جاہلیت پر بھینٹ چڑھائیں گی۔

قرآن ہی کی طرح نبیٔ کریم ﷺ نے بھی صنفِ نسواں کو مکمل چھپانے کی چیز بتائی ہے، بغیر ضرورت کے اس کا باہر نکلنا ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: عورت مکمل چھپانے کی چیز ہے؛ اس لیے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔ (مشکوٰۃ:۲۶۹)

اور اگر بوجہِ ضرورت اسے باہر نکلنا ہی پڑے تو اسے حکم دیا گیا کہ: ایسی بڑی چادر اوڑھ کر نکلے جس کے ذریعے اس کا پورا جسم سر سے لے کر پاؤں تک ڈھک جائے، سورۂ احزاب میں ہے:

﴿يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط﴾ [الأحزاب:۵۹]

ترجمہ: اے نبی! آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مؤمنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ: وہ جب باہر نکلیں تب اپنے اوپر بڑی چادریں ڈال لیں۔

مطلب یہ ہے کہ انھیں بڑی چادر لپیٹ کر باہر نکلنا چاہیے اور چہرے پر چادر کا گھونگھٹ ڈالا ہوا ہو۔

بہر حال! حکمِ شرعی یہ ہے کہ حتی الامکان عورت گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر

مجبوراً نکلنا ہی پڑے تو بڑی چادر میں اس طرح لپیٹ کر نکلے کہ پہچانی نہ جا سکے اور اس کے لباس کی زیب و زینت پر اجنبیوں کی نظر نہ پڑے۔

بڑی چادر اوڑھ کر نکلنے کی صورت میں اس چادر کو بار بار سنبھالنا مشکل تھا، اس کی تکمیل کے لیے شریف خاندانوں میں چادر کی جگہ برقعہ آیا، یہ مقصد ڈھیلے اور سادے برقعے کے ذریعے حاصل ہوتا تھا؛ لیکن شیطان نے اس برقعے کو فیشن اور شہوت کی بھٹی میں رنگ کر زینت و نمائش کا ذریعہ بنا دیا، برقعہ کی ایجاد نسوانی زیبائش چھپانے کے لیے ہوئی تھی، اسی میں ایسی ایسی تراش خراش اور پرکشش ڈیزائنیں اور فیشن سمو دی گئیں کہ برقعہ خود زینت کا ایک جزو اور ذریعہ بن گیا۔

اب بہت سی خواتین برقعہ خود کو چھپانے کے لیے نہیں؛ بلکہ مزید خوب صورت اور جاذبِ نظر لگنے کے لیے پہننے لگی ہیں، اس سے زیادہ برقعہ کا غلط استعمال اور ناقدری کیا ہوگی؟ فطرت کا مسخ ہونا؛ یعنی انسانیت کا پلٹ کر اسفلِ سافلین میں پہنچ جانا اسی کا نام ہے۔ برقعہ کے ایک تاجر کے اشتہار کے یہ الفاظ پڑھیے:

ہمارے یہاں سعودی نقاب، جھبلے دار نقاب، شیروانی نقاب، عبایہ نقاب، دوپٹے دار نقاب، گول رومال نقاب، سہ گوشہ نقاب اور رومالی نقاب کے علاوہ فینسی نقاب کے دوپٹے، چادریں، ڈھاٹا اور رنگین اسکارف وغیرہ رعایتی قیمت پر دستیاب ہیں۔

ابتدا میں جب سہولت کی خاطر چادر کی جگہ برقعہ ایجاد ہوا، تب موجدین کو خواب و خیال بھی نہ ہوگا کہ ماڈرن جاہلیت میں برقعہ کو اتنی نچلی سطح تک پہنچا دیا جائے گا۔ بعض برقعے تو اتنے تنگ اور چست بننے لگے ہیں کہ عورتوں کا پورا بدن اور اعضا کی ہیئت تک صاف نظر آتی ہے۔

آپ نے سوال میں برقعہ کے اوپر پہنی جانے والی جس پردی کا تذکرہ کیا ہے جس میں آنکھیں، ناک، آدھے رُخسار کھلے رہتے ہیں اس میں سوال یہ ہوتا ہے کہ جالی دار برقعہ چھوڑ کر پردی والا برقعہ کیوں اپنایا گیا، جب کہ جالی دار برقعہ میں پورا چہرہ اور منہ چھپنے کے ساتھ راستہ دیکھنے میں بھی کوئی دقت نہیں تھی؟

اس سوال کا جواب بھی صاف ہے کہ جالی دار برقعہ میں وہ کشش نہیں جو پردی والے برقعہ میں ہے۔ اب تو برقعہ کی ڈیزائن اور تراش خراش میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ شریعت کیا چاہتی اور کہتی ہے؟ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلم اور فیشن کیا سکھاتی ہے؟ لہٰذا جو خواتین برقعے پہن کر یہ سمجھتی ہوں کہ وہ قرآن وشریعت کے حکم پر عمل کررہی ہیں، یہ محض نفس وشیطان کا فریب ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کے بعض وہ اعمال جو بہ ظاہر نیکی نظر آتے تھے ان کے متعلق فرمایا ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾﴾ (الکھف)

ترجمہ: آپ (اُن سے) کہیے کہ: کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت (جو اعمالِ حسنہ میں کی تھی) سب گئی گزری ہوئی، اور وہ (بوجہ جہالت کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔ (معارف القرآن: ۵/۶۴۵)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

اس جگہ پہلی دو آیتیں اپنے مفہومِ عام کے اعتبار سے ہر اس فرد یا جماعت کو

شامل ہے جو کچھ اعمال کو نیک سمجھ کر اس میں جد و جہد اور محنت کرتے ہیں؛ مگر اللہ کے نزدیک ان کی محنت برباد اور عمل ضائع ہے۔(۶۴۶/۵)

اور اب تو کئی دنوں سے سوال میں ذکر کردہ پردی میں ایک ترقی یہ ہوئی ہے کہ پورا برقعہ کالے رنگ کا ہوتا ہے اور پردی سفید رنگ کی ہوتی ہے؛ تا کہ کسی کی توجہ نہ جاتی ہو تب بھی یہ منظر دیکھنے کے لیے وہ کھینچے۔

اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان بہن، بیٹیوں کو عقلِ سلیم دے کہ وہ ہوس خوروں کی ان مکاریوں اور حیلوں کو پہچان کر اپنی عصمت وعزت اور شرم وحیا بچالیں، آمین۔

دشمنانِ اسلام ایک طویل عرصے تک حجاب، پردہ اور برقع کے خلاف تحریک چلاتے رہے، اس کے باوجود جو مسلمان خواتین اس سے متأثر نہ ہوئیں اور خود کو بے حجاب نہ کیا، ایسی خواتین کے لیے اب ان دشمنوں نے یہ نیا حیلہ تیار کیا جس میں برقعہ اتار پھینکے بغیر ہی ان کا مقصد حاصل ہو جائے اور حکمِ الٰہی پر ظاہری عمل کے ساتھ اس کا خون ہوتا رہے، اس موقع پر فراستِ ایمانی اور غیرت وحمیت سے کام لے کر ان مکاریوں پر سے پردہ ہٹانے کی ضرورت ہے۔(محمود الفتاویٰ گجراتی: ۴۷۰/۲-۴۷۳)فقط واللہ تعالیٰ أعلم

برقعہ پہننے کا شرعی حکم

سوال: آج کل جو برقعے پہنے جاتے ہیں ان میں آنکھیہ پہنا جاتا ہے، اِس طرح برقے میں سے آنکھیں اور ناک کی ہڈی بھی صاف نظر آنے لگی ہے؛ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز بعض اوقات آنکھ کے اوپر کا حصہ پیشانی (بھنوؤں کا حصہ) اور آنکھ کے نیچے والا چہرے کا حصہ بھی نظر آنے لگتا ہے تو کیا اس طرح کے برقعے پہننا جائز ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

برقعہ پہننے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے عورت اپنے بدن یا لباس کی آرائش مردوں کی نگاہوں سے چھپائے؛ تاکہ اس کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے، یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اصل حکم تو یہ تھا کہ عورت ایک موٹی اور انتہائی سادہ چادر کے ذریعے اپنے آپ کو چھپالے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہی طریقہ رائج تھا؛ البتہ چادر اوڑھنے میں خود اس چادر کو سنبھالنا پڑتا تھا؛ لہٰذا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے برقعے سِلے گئے؛ لیکن یہ مقصد مکمل طور پر تب ہی حاصل ہوگا جب کہ برقعہ بالکل سادہ اور زیب وزینت سے خالی ہو؛ ورنہ برقعہ کے ذریعہ زیب وزینت چھپانے کا جو مقصد تھا اس کے برعکس برقعہ خود ہی سامانِ زینت بن جائے گا؛ اسی لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: کامدار برقعہ پہن کر نکلنا بھی جائز نہیں۔ (معارف القرآن:۶/۴۰۶-۴۰۷)

جس زمانے میں سادہ موٹی چادر اوڑھ کر خواتین باہر نکلتی تھیں تب راستہ دیکھنے کے لیے آنکھ کھلی رکھنے کی بھی اجازت تھی، پھر جب برقعے سلے گئے تب راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھنے کے بہ جائے برقعہ ہی میں آنکھ کی جگہ جالی لگا دی گئی، اب آنکھ کھلی رکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

آج کل برقعے میں سے جالی غائب ہوتی جارہی ہے اور آنکھیہ پہننے کا رواج بڑھتا جارہا ہے، یہ بھی ایک شیطانی چال ہے؛ کیوں کہ ایسا برقعہ مردوں کو مائل کرنے میں اچھا خاصا کردار ادا کررہا ہے۔

بعض خواتین آنکھیہ کا بے جا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے لکھنے کے مطابق چہرہ کے دیگر حصے کو بھی کھلا رکھتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ شریعت کے دیے ہوئے حکمِ

حجاب کی غرض وغایت کے لیے مضر ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ بعض جاننے والوں سے سننے کے مطابق کسی فلم میں کسی اداکارہ کا آنکھیہ پہننا اس طریقے کی ترویج کا اصل سبب ہے، پھر تو اس کا ناجائز ہونا بدیہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

برقعہ پہننا ضروری ہے چاہے شوہر ناراض ہو؟

سوال: کیا اسلام میں ہر مسلمان عورت کے اوپر برقعہ پہننا فرض ہے؟ اگر فرض ہو تو کسی آیت یا حدیث سے ثابت کر کے بتلائیں، اگر کوئی تبلیغی عورت کسی عورت کو زبردستی برقعہ پہنانا چاہے تو کیا حکم ہے؟ جس عورت کو برقعہ پہنانا چاہتی ہے اس کا شوہر برقعہ پہننے سے ناراض ہو تو وہ عورت کیا کرے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ قرآنِ پاک کی تفسیر ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں: عورتوں کے پردے کا بیان قرآنِ پاک کی سات آیتوں میں آیا ہے، تین سورۂ نور میں گذر چکی ہیں، چار آیتیں سورۂ احزاب میں ہیں۔ اسی طرح ستّر سے زیادہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پردہ کے احکام بتلائے گئے ہیں۔ (معارف القرآن: ۷/۲۰۸)

آگے چل کر پردہ کے درجات کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: پردہ کا پہلا درجہ جو اصل مطلوبِ شرعی ہے وہ حجابِ اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں؛ لیکن شریعتِ اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات کی پوری رعایت کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہے کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں اور اس کے لیے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن وسنت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سے پاؤں تک برقع یا لانبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر

نکلیں، راستہ دیکھنے کے لیے چادر میں سے صرف ایک آنکھ کھولیں یا برقع میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگالیں، ضرورت کے مواقع میں پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علما وفقہا کے درمیان متفق علیہ ہے۔ (ایضاً: ۷/ ۲۱۳)

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، یہ سورۂ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آرہی ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط﴾ [الأحزاب:۵۹]

یعنی اے نبی! آپ اپنی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ: اپنی جلباب استعمال کریں۔ جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے۔ (معارف القرآن: ۷/ ۲۱۷)

ابنِ جریرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے استعمالِ جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس میں مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی ہو۔ (معارف القرآن: ۷/ ۲۱۷)

ذکر کردہ تفصیل سے پردہ کا ضروری ہونا سمجھ میں آگیا ہوگا، اب تمام مسلمان عورتوں پر ضروری ہے کہ اس پر عمل کریں، اگر کسی عورت کا شوہر شریعت کے اس حکم پر عمل کرنے سے ناراض رہتا ہو تو شوہر کی ناراضگی کی بالکل پرواہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے شوہر کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (ایضا: ۸/ ۴۱۸) (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۴/ ۵۷۳)

نکاح کے بعد پیش آنے والے معاشرتی مسائل

معاشرت کے متعلق دین کی اصولی تعلیم

ماں باپ پر اولاد کے حقوق

بہو سے خدمت لینے کا حق

لڑکے کا اپنی بیوی کے ساتھ والدین سے علاحدہ رہنا ہزاروں

مفاسد کے انسداد کا ذریعہ ہے

والدین سے علاحدہ رہنے میں عزت بڑھتی ہے

والدہ کے کہنے سے بیوی کو طلاق دینا وغیرہ

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مسائلِ ذیل کے بارے میں:

بندہ کافی الجھنوں اور اختلافات کا شکار ہے، جس کی کچھ حقیقت آپ کے سامنے پیش کر کے کچھ سوالات عرض کر رہا ہے، آپ تسلی بخش جوابات سے نوازیں!

میری شادی ہونے کو کچھ مہینے ہی گزرے ہیں؛ لیکن شادی کے کچھ ایام کے بعد میری والدہ اور میری بیوی کا آپس میں کچھ باتوں کی بنا پر ٹکراؤ شروع ہوگیا ہے (گھریلو مسائل، مثلاً: کھانا، کپڑے وغیرہ) میری والدہ ہر بات پر میری بیوی کو ٹوکتی رہتی ہیں، جس کی بنا پر ہم دونوں تنگ آگئے ہیں، میرے والد صاحب نے میری والدہ کو

بارہا سمجھایا؛ لیکن والدہ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

اور میری بیوی نے ایک مرتبہ میری عدمِ موجودگی میں غلط قدم اٹھانے کا ارادہ بھی کیا تھا اور کچھ حرکت بھی کر چکی تھی (گولیاں کھا کر خودکشی کرنے کی)؛ لیکن میرے سمجھانے کی بنا پر وہ اس حرکت سے باز آ گئی، اور آپس کے ٹکراؤ میں اپنے والد صاحب کے سامنے چار مہینے تک پیش کرتا رہا، پھر جب رمضان کا مہینہ آیا تو میرے والد صاحب کے کہنے کی بنا پر میں نے اپنی بیوی کو کچھ ایام کے لیے سسرال، میکے بھیج دیا، جب گھر پر پہنچی تو ان کے والدین نے ان کی نازک حالت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم اپنی لڑکی کو آپ کے گھر نہیں بھیجیں گے، جب تک آپ اور آپ کی بیوی دونوں آپ کے والدین سے جدا نہ رہیں اور ابھی تک میری بیوی اورنگ آباد میں ہے۔

پھر والد صاحب نے رمضان کے بعد ایک مہینے کے لیے مجھے اپنی رفیقۂ حیات کے پاس بھیجا، ابھی تک میں اورنگ آباد ہی میں ہوں، میرے والدین مجھ پر اصرار کر رہے ہیں کہ آپ اپنی بیوی کو لے کر گھر آ جائیں؛ لیکن میں والدہ کی کچھ شدید غلطیوں کی بنا پر گھر آنے کو منع کر رہا ہوں اور ابھی فی الحال اورنگ آباد میں اپنے ایک بھائی کے یہاں مقیم ہوں اور سسرال والے بھی اپنی لڑکی بھیجنے کو اس وقت تک تیار نہیں ہیں جب تک میرے والدین مجھے الگ نہ رہنے دیویں۔

تو اب اس سلسلے میں کچھ امور دریافت کر رہا ہوں:

(الف): لڑکے کا حق والدین پر کیا ہے؟ اور بہو کا حق ساس اور خسر پر کیا ہے؟

(ب): میری والدہ اور میری بیوی کی آپس میں نہ بننے کی وجہ سے میں اپنے والدین سے الگ رہنا چاہتا ہوں تو میں رہ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور مجھے امید ہے کہ الگ

رہنے کی صورت میں آپس کی محبت بڑھے گی۔

(ج): میرے والد صاحب کا یہ کہنا کہ: الگ رہنے کی صورت میں ہماری عزت پر دھبہ لگتا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟

(د): میرے والد صاحب کا یہ جملہ استعمال کرنا کہ ’’لڑکی والوں کو دب کر رہنا پڑتا ہے، کچھ نہیں کہہ سکتے‘‘، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(ھ): میری والدہ میری بیوی پر جھوٹی جھوٹی تہمتیں لگا کر پریشان کرتی ہیں، ان کا یہ رویہ کہاں تک صحیح ہے؟

(و): آپسی ٹکراؤ کی بنا پر میری والدہ نے مجھ سے بارہا کہا کہ: تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، تو والدہ کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینا کیسا ہے؟ اور بیوی کو طلاق کن کن امور کی بنا پر دینا جائز ہے اور کن کن امور کی بنا پر نا جائز ہے؟

(ز): میری والدہ اس موقع پر میرے لیے بد دعائیہ جملے استعمال کرتی ہیں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا اس موقع پر ان کی بد دعا میرے حق میں قبول ہوگی؟

(ح): والدین کے جمائے ہوئے کچھ کاروبار ہیں، میرے الگ ہونے کی صورت میں مجھے اس میں سے کچھ نہ دیویں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ حالاں کہ سارے بھائیوں کو ماہانہ خرچ بھی دیتے ہیں اور کاروبار میں ان کے حصے طے کر دیے ہیں تو انصاف کیا ہے؟ دوسری بات یہ کہ وہ اپنی زندگی میں مجھے کچھ نہ دیویں؛ لیکن ان کے مرنے کے بعد اس کاروبار میں میرا حقِ وراثت لگے گا یا نہیں؟

(ط): ساس کا اپنی بہو کے بیمار ہونے پر یہ جملے استعمال کرنا (کہ یہ تیرے گناہوں کی سزا ہے) کیسا ہے؟

(ی): میری والدہ اپنے گھر والوں کو تابع کرنے کے لیے پانی وغیرہ پڑھا کر پلاتی ہیں؛ تا کہ ہم ان کی طرف داری کرنا شروع کر دیں اور ان کی ہر بات پر لبیک کہنا شروع کر دیں، حقیقت کچھ ایسی ہوئی کہ والد صاحب اور جن بھائی، بہنوں نے یہ پانی پیا وہ ان کے ہو گئے، اور ان کی ہر بات پر لبیک کہنا شروع کر دیا اور ناحق طرف داری شروع کر دی، تو میری والدہ کا یہ فعل صحیح ہے یا نہیں؟ براہِ کرم آپ یہ بھی بتا دیں کہ تعویذ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس طرح تعویذ بنا کر دینا اور لینا صحیح ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

آپ کے سوالات کے الگ الگ جوابات دینے سے پہلے دین کی ایک اصولی تعلیم اور ہدایت پیش کی جاتی ہے، اس کو ذہن نشین کر لیں:

شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، حقوق کے مطالبہ پر زور نہیں دیا گیا ہے، آج کی دنیا حقوق کے مطالبہ کی دنیا ہے، ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے اور اس کے لیے مطالبہ کر رہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کر رہا ہے، ہڑتال کر رہا ہے؛ گویا کہ اپنا حق مانگنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لیے دنیا بھر کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور اس کے لیے باقاعدہ انجمنیں قائم کی جا رہی ہیں، جن کا نام ''انجمنِ تحفظِ حقوقِ فلاں'' رکھا جاتا ہے۔

لیکن آج ''ادائیگیٔ فرض'' کے لیے کوئی انجمن موجود نہیں، کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمّے عائد ہیں وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟

مزدور کہتا ہے کہ: مجھے میرا حق ملنا چاہیے۔ سرمایہ دار کہتا ہے کہ: مجھے میرا حق ملنا چاہیے؛ لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں ہے کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں؟

مرد کہتا ہے کہ: میرے حقوق ملنے چاہییے اور عورت کہتی ہے کہ: مجھے میرے حقوق ملنے چاہییے اور اس کے لیے کوشش اور جد و جہد جاری ہے، لڑائی ٹھنی ہوئی ہے، جنگ جاری ہے، لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمّے عائد ہو رہے ہیں وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے، اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں، اگر مزدور اپنے فرائض ادا کردے تو سرمایہ دار اور مالک کے حقوق ادا ہوگئے، اگر سرمایہ دار اور آجر (اجرت پر لینے والا) اپنے فرائض ادا کردے تو مزدور کے حقوق ادا ہوگئے، شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کا حق ادا ہو گیا اور اگر بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔

شریعت کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

آج ہمارے زمانے میں عجیب الٹی گنگا بہنی شروع ہوگئی ہے کہ جب کوئی شخص اصلاح کا جھنڈا اٹھاتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے شخص سے اپنی تحریکِ اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر بھی کچھ کوتاہی ہے، میں بھی غلطی کا شکار ہوں، میں اس کی فکر کروں؛ حالاں کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ [المائدة:۱۰۵]

اے ایمان والو! اپنے آپ کی فکر کرو کہ تمھارے ذمّے کیا فرائض ہیں؟ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ شریعت، دیانت، امانت اور اخلاق

کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ ان مطالبات کو بجالاؤ، دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے اور اپنے فرائض انجام نہیں دے رہا ہے تو اس کا نقصان تمھارے اوپر نہیں ہوگا؛ بشرطے کہ تم اپنے فرائض صحیح طور سے انجام دے رہے ہو۔

حضور ﷺ کی تعلیم وتربیت کا انداز دیکھیے کہ آں حضرت ﷺ کے زمانے میں لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل جایا کرتے تھے، جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور اس زمانے میں زیادہ مال مویشیوں؛ یعنی اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔

آں حضرت ﷺ جب عاملوں کو بھیجتے تو ان کو ایک ہدایت نامہ عطا فرماتے کہ تمھیں وہاں جاکر کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟ اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تحریر فرماتے کہ:

لا جلب ولا جنب في زكاة ولا تؤخذ زكوٰتهم إلا دورهم. (أبو داؤد، كتاب الزكوٰة، باب أين تصدق الأموال، حديث نمبر: ١٥٩١)

یعنی تم خود لوگوں کے گھروں پر جاکر زکوٰۃ وصول کرنا، ایسا مت کرنا کہ تم ایک جگہ پر بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو اس بات کی تکلیف دو کہ وہ زکوٰۃ کا مال تمھارے پاس لاکر دیں اور یہ بھی ہدایت فرماتے کہ:

المتعدي في الصدقة كمَانِعها. (ابوداؤد، باب زكوٰة السائمة، رقم الحديث: ١٥٨٥)

یعنی جو شخص زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کر رہا ہے، مثلاً: جتنی زکوٰۃ واجب تھی مقدار میں اس سے زیادہ وصول کر رہا ہے، یا کیفیت میں زیادہ وصول کر رہا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ: ایسا شخص بھی اتنا ہی گنہگار ہے جتنا زکوٰۃ نہ دینے والا گنہگار ہے؛ لہٰذا ایک طرف عاملوں کو تو یہ تاکید کی جارہی ہے کہ تم لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور

جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ وصول نہ کرو، اگر ایسا کروگے تو قیامت کے دن تمھاری پکڑ ہوگی، دوسری طرف جن لوگوں کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ان عاملوں کو بھیجا جارہا تھا ان سے خطاب کرکے فرمایا:

إذا جاءكم المصدق فلا يفارقنكم إلا عن رضى. (ترمذی، کتاب الزكوٰة، باب ما جاء في رضى المصدق، حديث نمبر:٦٤٧)

یعنی تمھارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں تو کہیں ایسا نہ ہو وہ تم سے ناراض ہوکر جائیں۔ تمھارا فرض ہے کہ تم ان کو راضی کرو اور کوئی ایسی غلطی نہ کرو جس سے وہ ناراض ہوجائیں؛ کیوں کہ در حقیقت وہ میرے فرستادے اور میرے نمائندے ہیں اور ان کو ناراض کرنا گویا مجھے ناراض کرنا ہے۔

لہٰذا عاملین کو یہ تاکید فرمائی کہ: تم کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو، اور زکوٰۃ دینے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ جب عاملین تمھارے پاس آئیں تو وہ تم سے راضی ہوکر جائیں۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس دلایا جارہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ دینے والے کو یہ نہیں فرمایا کہ: تم سب مل کر ایک تحریک چلاؤ کہ: یہ جو عاملین زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آرہے ہیں وہ ہمارے حقوق پامال نہ کریں، اس کے لیے انجمن قائم کرو؛ اس لیے کہ یہ ایک لڑائی کا ذریعہ بن جاتا۔

شریعت میں سارا زور اس بات پر ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگہداشت کرے، فرائض کو بجالانے کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ اس کی فکر کرے کہ میں اللہ کے سامنے ٹھیک جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ دین کا سارا فلسفہ یہ ہے، یہ نہیں کہ ہر شخص دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا رہے،

اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل رہے۔ (اصلاحی خطبات: ۲/ ۶۳-۶۵)

حضورِ اکرم ﷺ نے صالح معاشرے کے قیام کے لیے امت کی جو رہنمائی فرمائی ہے وہ ایسی واضح اور مکمل ہے کہ اگر اس کو پورے پورا عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ایک صالح اور معیاری معاشرہ قائم ہوگا؛ بلکہ کسی کو کسی سے شکایت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔

آج کل لوگوں نے لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ بنا رکھے ہیں اور یہی مزاج سارے فساد کی جڑ ہے، مثال کے طور پر جب بیٹے کا نکاح کروا کر بہو گھر لائی جاتی ہے تو بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے؛ لہٰذا یہ بہو بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے ہماری خدمت ضرور کرے، بیٹے کی اطاعت کرے یا نہ کرے، ہماری اطاعت ضرور کرے؛ حالاں کہ ان کا یہ نظریہ ہی بنیادی طور پر غلط اور اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

پھر مزید طرّہ یہ ہے کہ یہی ماں باپ اپنی بیٹی کا نکاح کروا کر دوسرے کے گھر بھیجتے ہیں اس وقت ان کی سوچ یہ نہیں ہوتی، وہاں تو ان کی بھی دلی تمنا اور خواہش؛ بلکہ اس کے لیے سرتوڑ کر کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہمارا داماد اپنی بیوی؛ یعنی ہماری بیٹی کو لے کر الگ گھر آباد کرے، جہاں ہماری بیٹی کو اپنے ساس، سسر کی خدمت نہ کرنا پڑے؛ حالاں کہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه.

تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اپنے اغراض اور مفادات ہی کو بنیاد قرار دے کر ہر آدمی دوسرے کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضورِ اکرم ﷺ نے جو احکامات دیے ہیں اور طریقہ بتلایا ہے، اس کو بنیادی حیثیت دینے کے لیے کوئی تیار نہیں، مزید برآں رسم و رواج نے لوگوں کے دل و دماغ پر ایسا تسلط جما رکھا ہے کہ اچھے اچھے دین دار لوگ بھی اس کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ قدم قدم پر شریعتِ مطہرہ کے معاشرتی احکام وہدایات کی خلاف ورزی میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

(الف): حضرت تھانویؒ اپنے رسالہ ''حقوق الاسلام'' میں اولاد کے حقوق کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں: جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں اسی طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق ہیں، وہ یہ ہیں:

① نیک بخت عورت سے نکاح کرنا؛ تاکہ اچھی اولاد پیدا ہو۔

② بچپن میں محبت کے ساتھ ان کی پرورش کرنا کہ اولاد کو پیار کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے؛ بالخصوص لڑکیوں سے دل تنگ نہ ہونا، ان کی پرورش کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اگر انّا کا دودھ پلانا پڑے تو خلیق اور دین دار انّا تلاش کرنا کہ دودھ کا اثر بچے کے اخلاق میں آتا ہے۔

③ ان کو علمِ دین وادب سکھلانا۔

④ جب نکاح کے قابل ہوں تو ان کا نکاح کر دینا، اگر لڑکی کا شوہر مر جائے تو نکاحِ ثانی ہونے تک اس کو اپنے گھر آرام سے رکھنا، اس کے مصارفِ ضروریہ کا برداشت کرنا۔ (اصلاحی نصاب: ۴۳۳)

سسرالی عزیزوں کے حقوق کے عنوان کے ماتحت اسی رسالہ میں لکھا ہے:

قرآنِ مجید میں حق تعالیٰ نے نسب کے ساتھ علاقۂ مصاہرت کو بھی ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ساس، سسر اور سالے و بہنوئی اور داماد اور بہو اور ربیب؛ یعنی بیوی کی پہلی اولاد کا بھی حق کسی قدر ہوتا ہے؛ اس لیے ان تعلقات میں بھی رعایت احسان واخلاق کے کسی قدر خصوصیت کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ (اصلاحی نصاب:۴۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

ایک بات اور سمجھ لیجیے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے وہ یہ کہ: جب عورت کے ذمّے شوہر کا اور اس کی اولاد کھانا پکانا واجب نہیں، تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں ان کے لیے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریقۂ اولیٰ واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے؛ لہٰذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے؛ چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے، اور پھر اس کے نتیجے میں ساس، بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

خوب سمجھ لیجیے! اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمّے واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے؛ البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعثِ اجر سمجھ کر انجام دے؛ لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے جب کہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو، اور نہ

والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے؛ لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی ان شاء اللہ! اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا۔

اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہیے؛ تاکہ گھر کی فضا خوش گوار رہے؛ لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسنِ سلوک ہے، اس کا حسنِ خلق ہے، اس کے ذمّے یہ خدمت فرض و واجب نہیں ہے؛ لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں۔

ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں، ساس بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیے، یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔ (اصلاحی خطبات: ۲/۴۱-۴۲)

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: بعضے آدمی اس کو بڑی سعادت مندی سمجھتے ہیں کہ بی بی کو اپنی ماں کا محکوم و مغلوب بنا کر رکھیں اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے، تم سعادت مند ہو خود خدمت کرو، خدمت کے لیے نوکر لاؤ۔ (اصلاحی انقلاب امت: ۲/۱۸۸)

(ب): حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: اور نفقہ ہی کا ایک جز بی بی کو رہنے لیے گھر دینا ہے، اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے ذمّے واجب نہیں سمجھتے، بس اپنے عزیزوں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں، سو اس میں

حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بہ خوشی راضی ہو تب تو خیر؛ ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے۔

اور یہاں بھی راضی ہونے کے معنیٰ وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے؛ یعنی طیبِ خاطر سے راضی ہو؛ حتی کہ اگر مرد کو قرائنِ قویہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے؛ مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں؛ البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھری یا کمرہ ایسا دینا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں اپنا مال واسباب مقفل کر کے (تالا وغیرہ لگا کر) رکھ سکے اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں اٹھ بیٹھ سکے، بات چیت کر سکے، یہ واجب کے ادا کرنے لیے کافی ہوگا۔

اور آج کل کے طبائع و واقعات کا مقتضا تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزہ (رشتہ دار) ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے، اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد (ہزاروں خرابیوں کی روک تھام) ہے، اور گو اس میں چند روز کے لیے عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا؛ مگر اس کی مصلحتیں جب مشاہد ہوں گی سب خوش ہو جائیں گے، خصوصاً چولہا تو ضرور ہی علیٰحدہ ہونا چاہیے، زیادہ تر آگ اس چولہے ہی سے بھڑکتی ہے۔

فقہا نے یہاں تک فرمایا ہے کہ: مرد کی اگر پہلی بیوی سے کچھ اور اولاد ہو، دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور آج کل واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے کہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا۔ (اصلاحِ انقلاب امت: ۲/ ۱۸۷-۱۸۸)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: اگر بیوی مال دار ہوتو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہوتو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلا بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہوتو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلا مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں۔(احسن الفتاویٰ:۵/۶۷۴)

(ج): شریعت کی ہدایت اور حکم پر عمل کرنے میں آدمی کی عزت بڑھتی ہے، آپ کے والد صاحب کا اس کو اپنی عزت پر دھبہ لگنے سے تعبیر کرنا درست نہیں، ممکن ہے ان کو یہ خیال ہو کہ علاحدہ کرنے کی صورت میں لوگ یہ سوچیں گے کہ بہو کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ ہوا ہوگا؛ اس لیے علاحدگی کی نوبت آئی اور عموماً لوگ بھی اس طرح کی قیاس آرائیاں کرتے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ والد صاحب خود ہی آپ دونوں کے لیے علاحدہ رہنے کا فیصلہ کریں اور علاحدگی کے بعد بھی آپ میاں بیوی کی طرف سے کوئی ایسی بات- جو لوگوں کی مندرجۂ بالا غلط قیاس آرائیوں کی تائید کرتی ہو- پیش نہیں آنی چاہیے، آپ والد صاحب کو اس کا اطمینان دلائیں۔

(د): ان کا یہ جملہ غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے۔

(ھ): جھوٹی تہمت لگانا گناہِ کبیرہ ہے، اس سے توبہ لازم ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: جو شخص کسی مسلمان پر ایسی بات لگائے جو اس میں نہ ہوتو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخیوں کے لہو اور پیپ کے جمع ہونے کی جگہ رہنے کو دیں گے، یہاں تک کہ اپنے کہے سے باز آئے اور توبہ کرے۔(اختری بہشتی زیور:۷/۳۸)

(و): فتاویٰ رشیدیہ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: اگر والدین نفسانیت سے یا بوجہ اپنی اطاعت نہ کرنے کے طلاقِ زوجہ کو کہیں، نہ بوجہ عذرِ شرعی کے تو پسر کو طلاق دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: طلاق دے دینا چاہیے، وہ خواہ کیسے ہی کہیں۔ (تالیفاتِ رشیدیہ: ۲۲۴)

فتاویٰ دار العلوم (عزیز الفتاویٰ مکمل مبوب) سے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

سوال: زید اپنے بیٹے عمر کو کہتا ہے کہ تو اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو طلاق دیدے، پس اس صورت میں اگر ہندہ صالحہ ہے یا فاجرہ ہے، بہر حال کیا حکم ہے زید کو طلاق دینا باپ کے کہنے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وعن ابن عمر رضي الله عنه قال: كانت تحتي امرأة أحبها و كان عمر رضي الله عنه يكرهها، فقال لي طلقها فأبيت فأتى عمر رسول الله ﷺ فذكر ذٰلك له، فقال له رسول الله ﷺ: طلقها. (رواه الترمذي وابوداؤد)

قال في اللمعات: قوله: طلقها إن كان الحق في جانب الوالدين فطلاقها واجب للزوم العقوق، وإن كان في جانب المرأة فإن طلقها لرضا الوالدين فهو جائز... إلخ.

حدیثِ مذکور سے واضح ہے کہ باپ کے حکم کو مقدم سمجھے اور عورت کو طلاق دے دے۔ اور صاحبِ لمعات کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ عورت اگر واقع میں فاجرہ، بدزبان وغیرہ ہے اور والدین حق پر ہیں تو طلاق اس صورت میں واجب ہے؛ ورنہ جائز وافضل ہے۔ (۱/ ۱۵۳-۱۵۴)

(ز): حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

دعائے خیر اور اچھی دعا کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں اور کبھی کسی حکمت و مصلحت سے قبول نہ ہونا اس کے منافی نہیں۔

مگر جو انسان کبھی اپنی نادانی سے اور کبھی کسی غصہ اور رنج سے اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے بددعا کر بیٹھتا ہے یا انکارِ آخرت کی بنا پر عذاب کو کھیل سمجھ کر اپنے لیے دعوت دیتا ہے اس کو فوراً قبول نہیں کرتے؛ بلکہ مہلت دیتے ہیں؛ تاکہ منکر کو غور و فکر کر کے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقت رنج و غصہ یا دل تنگی کے سبب بددعا کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے برے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آجائے۔

امام ابنِ جریر طبریؒ بروایتِ قتادہ اور بخاری و مسلم نے بروایتِ مجاہدؒ نقل کیا ہے کہ: اس جگہ بددعا سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصے کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بددعا کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ایسی دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔

امام قرطبیؒ نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست و عزیز کی بددعا اس کے دوست و عزیز کے متعلق قبول نہ فرماویں۔

اور شہر بن حوشبؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج و غصے میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی

زبان سے جو بات نکلے فوراً قبول ہوجاتی ہے؛ اس لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنی اولاد اور مال کے لیے کبھی بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیتِ دعا کا ہو اور یہ بد دعا فوراً قبول ہوجائے (اور تمھیں بعد میں پچھتانا پڑے)۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے غزوۂ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ: آیتِ مذکورہ کا اصل خطاب اگرچہ منکرینِ حدیث اور ان کے فوری مطالبۂ عذاب سے متعلق ہے؛ لیکن اس کے عموم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج وغصہ کی وجہ سے اپنے یا اپنے مال واولاد کے لیے بد دعا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت اس کے فضل وکرم کی وجہ سے دونوں کے ساتھ یہی ہے کہ ایسی بددعاؤں کو فوراً نافذ نہیں فرماتے؛ تاکہ انسان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع مل جائے۔(۵۱۷/۴)

(ح): والدین اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں اس کی حیثیت ہبہ اور بخشش کی ہے اور اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اس میں تمام اولاد کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے، کسی کو دینا اور کسی کو نہ دینا یا کسی کو زیادہ دینا اور کسی کو کم دینا نا مناسب ہے؛ البتہ اولاد میں سے کسی کی نیکی یا اس کی خدمت واطاعت یا اس کی احتیاج کے پیشِ نظر زیادہ دے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

والدین میں سے کوئی اپنے انتقال کے وقت اپنی مِلک میں جو کچھ چھوڑ کر جاتا ہے اس میں ان کی تمام اولاد کو حقِ وراثت ملتا ہے، ان میں کی کوئی اولاد اپنی نافرمانی یا والدین کی ان سے ناراضگی کی وجہ سے حقِ وراثت سے محروم نہیں ہوتی۔

(نوٹ): آپ کو حقِ وراثت کا تو فکر لگا ہے؛ لیکن آخرت میں والدین کی ناراضگی کی وجہ سے جو معاملہ پیش آنے والا ہے اس کا فکر نہیں۔

(ط): قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۰ (الشوریٰ)

اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمھارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ۔

(ی) کیا واقعتاً! آپ نے اس طرح کرتے ہوئے والدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟

کیا آپ کے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے؟

اگر نہیں تو یہ ایک بہتان ہے جو آپ والدہ پر لگا رہے ہیں اور بہت ہی ناشائستہ قسم کی بدگمانی ہے جو والدہ کے ساتھ کی جا رہی ہے، اسی طرح کا الزام وہ بھی اپنی بہو وغیرہ پر لگا سکتے ہیں اور یہی وہ بدگمانیاں ہیں جس نے آپ کی ازدواجی زندگی کو بے چین کر رکھا ہے، والدین کے اولاد پر بڑے حقوق ہیں اور ان کی فرماں برداری اور خدمت کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں بڑی تاکید آئی ہے، والدین خواہ کیسے ہی برے ہوں ان کی بے ادبی وگستاخی نہ کی جائے، والدین اگر ماریں، پیٹیں، گالی گلوچ کریں، برا بھلا کہیں یا طعن وتشنیع کرتے رہیں، تو ان کی ایذاؤں کو برداشت کیا جائے اور ان کو پلٹ کر جواب نہ دیا جائے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۳/۹۷) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بیرونِ ملک رہنے والے شوہر کا انڈیا میں رہنے والی بیوی کو والدین کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا

سوال: میرے شوہر دو سال سے افریقہ گئے ہیں، ایک سال روپے بھیجے اور میں نے جس کا قرض تھا ان کو دے دیا، اب ان کی بہنوں کے منع کرنے سے تین مہینے سے میرے اوپر فون بھی نہیں کرتے، ایک سال سے روپے بھی نہیں بھیجتے، تو ایسے شوہر کے لیے کیا حکم ہے؟ ان کے ماں باپ مجھ کو بالکل دیکھنا نہیں چاہتے، میں اپنے میکے میں رہتی ہوں، پہلے دو سال ہم الگ ہی رہتے تھے، اب میرے شوہر- جو عالم ہیں- مجھ کو اپنے گھر جانے کا کہتے ہیں؛ حالاں کہ ان کے والدین اور ان کی بہنیں مجھ سے بہت نفرت کرتی ہیں، بہنوں کے کہنے سے روپیے ماں باپ اور بہنوں پر بھیجتے ہیں تو میرے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

آپ کے شوہر آپ کو یہاں چھوڑ کر باہر ملک کمانے کے لیے چلے گئے ہیں، ان پر آپ کا نان ونفقہ شرعی اصول وضوابط کے مطابق واجب ہے اور اس کی ادائیگی ان پر ہر مہینے ضروری ہے، ان کا ان کی بہنوں کے کہنے سے آپ کو نان ونفقہ کی رقم نہ بھیجنا شرعاً گناہ اور قابلِ ترک فعل ہے۔

وہ وہاں سے آپ کو اپنے (یعنی ان کے والدین کے) گھر جانے کا کہتے ہیں تو اگر وہاں آپ کے رہنے کے لیے شرعی اصول وضوابط کے مطابق انھوں نے انتظام کیا ہے

تو آپ کو وہاں جا کر رہنا چاہیے اور اگر اس طرح کا کوئی انتظام نہیں کیا اور ان کے والدین اور بہنیں - جو وہاں رہتی ہیں - آپ کے ساتھ نفرت آمیز برتاؤ رکھتی ہیں تو اس صورت میں آپ کو وہاں جانا ضروری نہیں، جب تک شرعی اصول وضوابط کے مطابق آپ کے لیے الگ انتظام نہ ہو، وہاں تک آپ اپنے میکے میں رہ سکتی ہیں اور اس درمیان آپ کا نان و نفقہ آپ کے شوہر پر ضروری ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۲۶/۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم .

والدین کی رضامندی کے خلاف شادی کرنے والے کے ساتھ والدین کا برتاؤ

سوال: ایک حافظ قاری لڑکے کی ایک لڑکی سے پانچ چھ سال سے آنکھ لگی ہوئی تھی، اس کے والدین ناراض تھے اور آخر کار والدین کی ناراضگی کے باوجود اسی لڑکی سے شادی کر کے دونوں بیرونِ ملک چلے گئے اور وہاں وہ لوگ سکون سے رہ رہے ہیں؛ لیکن یہاں والدین دونوں میں سے کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتے، اور آئندہ بھی بات چیت کرنے پر رضامند نہیں، شریعت کے مطابق زیادہ سے زیادہ تین دن نہ بولنے کی اجازت ہے، لڑکا لڑکی دونوں بات کرنے کے لیے تیار ہیں، لڑکے کا خط، مال وسامان وغیرہ بھی آتا ہے؛ لیکن خط بھی نہیں پڑھتے اور مال وسامان بھی ایسے ہی رکھا رہتا ہے، استعمال بھی نہیں کرتے، توصورتِ مذکورہ میں والدین کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

والدین کا اختیار کردہ طریقہ غلط ہے، ان کو چاہیے کہ لڑکے کے ساتھ دوبارہ تعلق استوار کریں؛ ورنہ گنہگار رہوں گے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳۸۴/۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

لڑکے اور بہو کی غیبت کرنے والے والد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

سوال: ایک باپ اپنے لڑکے اور بہو کی دوسروں کے سامنے غیبت کرتا رہتا ہے؛ حالاں کہ دونوں میاں بیوی میں وہ باتیں موجود نہیں ہے، تو لڑکے اور بہو کو باپ کے ساتھ کیسا سلوک رکھنا چاہیے؟

لڑکا والدین کے حق کا برابر خیال رکھتا ہے، دونوں والدین سے الگ رہتے ہیں، پھر بھی والدین کے گھر آتا جاتا رہتا ہے، کوئی خاص جھگڑا بھی نہیں ہے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

لڑکے کو چاہیے کہ ان سب کے باوجود والد کے ساتھ اچھا سلوک رکھے اور ان کی خدمت جاری رکھے، والد کی اس حرکت کی بنا پر لڑکے کے لیے ان کے احترام میں کمی کرنا جائز نہیں ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۳۸۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شوہر کو ظالم غلام سمجھنے والی عورت کا حکم

سوال: آج سے اٹھائیس سال پہلے ایک گاؤں میں ایک شخص کی شادی شہر کی ایک لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی، اس وقت اس شخص کی وراثتی مشترکہ زمین تھی اور گاؤں میں مشترکہ مکان تھا، کچھ وقت کے بعد زمین کی تقسیم ہوگئی اور شوہر نے اپنے حصے کی زمین سرکاری ملازمت کے پیشِ نظر بیچ دی اور گھر کی تقسیم ابھی تک بھائیوں کے درمیان نہیں ہوئی ہے۔

پہلے تو میاں بیوی کی ازدواجی زندگی حسبِ دستور برابر چلی، تین اولاد کے من جملہ سب سے چھوٹی آٹھ سالہ لڑکی پیر سے معذور ہے، دونوں لڑکے جوان ہوگئے ہیں؛

مگر کسی سبب سے ابھی غیر شادی شدہ ہیں، کسبِ معاش میں بھی لگ گئے ہیں۔

وقت گذرتے گذرتے بیوی میں تبدیلی آتی گئی، اور اپنی قدر و منزلت میں اضافہ کرتی گئی، اس طرح کہ گھر کے بڑے ہونے کے اعتبار سے شوہر کا رتبہ ہی ختم ہو گیا، شوہر کو سرتاج نہیں ؛ بلکہ اپنی جوتیوں کے برابر سمجھنے لگی، اولاد کے چھوٹی ہونے کے باعث شوہر لعن، طعن، گالی، گلوچ برداشت کرتا رہا۔

اور اسی دوران شوہر نے اپنی معمولی تنخواہ کے باوجود ایک گھر بنالیا، اور گھر کا ضروری سامان بسالیا؛ مگر عورت ایسا دعویٰ کرتی ہے کہ سارا اس نے اپنی ہوشیاری سے بچت کر کے بسایا ہے، مال وجائداد سے شوہر کو کوئی دل چسپی نہیں ؛ اس لیے وہاں تک تو شوہر کے لیے فکر کی کوئی بات نہ تھی، مگر جو بات عورت نے اٹھائیس سال سے اپنے سینے میں دبائے رکھی تھی آخر وہ اس نے شوہر کے سامنے کہہ ہی دی۔

وہ راز کی بات بتانے سے پہلے آپ کو اس بات سے واقف کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شوہر دکھنے میں درحقیقت بدصورت ہے (پستہ قد، بیٹھی ہوئی ناک والا بدصورت) مگر نامرد یا کمزور نہیں۔

عورت نے شوہر کو اس طرح کہا کہ: میں نے تیری صورت دیکھ کر تجھ سے شادی نہیں کی، تیری جائداد دیکھ کر تجھ سے شادی کی تھی، تیری منحوس شکل سے مجھے سخت نفرت ہے، تیرا بدصورت چہرہ دیکھ کر تیرے ساتھ ہم بستری کی خواہش بھی ختم ہو جاتی ہے، تیرے ساتھ شادی کر کے میری زندگی جہنم بن چکی ہے، تمنائیں ناقص رہ گئی ہیں وغیرہ، اور اس طرح کے الفاظ جب عین صحبت کے وقت عورت، شوہر کے سامنے کرے تب شوہر کی کیا حالت ہو؟

اب آپ سے پوچھنا ہے کہ: اپنے شوہر کے متعلق ایسی خراب ذہنیت رکھنے والی عورت شوہر کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ یا پھر نکاح میں سے کب نکلے گی؟ اس لیے کہ ایسی ذلتی سے مرد بالکل تنگ آچکا ہے، اور اب ایسی خراب ذہنیت رکھنے والی عورت کو اپنے پاس کسی حال میں رکھنا نہیں چاہتا، مرد کا کہنا ہے کہ: ایسی خراب زندگی سے تو موت بہتر ہے، نیز جب شوہر پسند ہی نہ تھا تو شوہر کو دھوکا کیوں دیا؟ اتنے سالوں تک اندھیرے میں کیوں رکھا؟ اولاد ہوجانے کے بعد شوہر کو بالکل عاجز اور غلام بنانے کا حربہ تو نہیں تھا؟ وہ تو بیوی اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

عورت کی طبیعت جس طرح کی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف سے اس قسم کے واقعات کا وجود میں آنا کوئی تعجب کی بات نہیں، ان کی طبیعت میں ٹیڑھا پن تو ہوتا ہی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: عورت پسلی کی طرح ہے، اگر اس کو سیدھی کرنے جاؤ گے تو توڑ دو گے اور اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اسی ٹیڑھے پن کے ساتھ اٹھا سکتے ہو۔ (بخاری شریف: ۲/۷۷۹)

ایک اور ارشاد ہے: عورتوں کے متعلق میری طرف سے بھلائی کی وصیت قبول کرو؛ اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ دو گے۔ (بخاری شریف: ۲/۷۷۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: عورتیں شریف اور بھلے انسانوں پر اپنا تسلط جمالیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عورتوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ (سورۂ نساء: ۱۹)

لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ جب ازدواجی زندگی کے اٹھائیس سال اس کے ساتھ

گذار چکا ہے تو اب اس سے علیحدگی کا ارادہ ترک کر دے، اگر پہلے ہی دن سے اس عورت کا دینی ذہن بنا کر اس کی طبیعت دینی بنانے کی کوشش کی جاتی تو وہ محنت آج -جب کہ وہ اٹھائیس سال سے اس نکاح میں ہے- ضرور پھل لاتی۔

اتنا یاد رہے کہ اس طرح کی چپقلشوں اور ناپسندیدگی کے اظہار سے عورت نکاح سے نہیں نکل جاتی؛ البتہ اگر اس کی یہ ناپسندیدگی بالقصد ہے تو وہ گنہگار ہے، اور اگر طبعی اور بلا قصد ہے تو وہ معذور ہے۔

شوہر کے لیے ایک عمل لکھتا ہوں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے عورت کا دل بدل دے، نیچے لکھی ہوئی دعا عشا کی نماز کے بعد ایک ہی جگہ بیٹھ کر ۲۰۰ر مرتبہ پڑھے، اول آخر ۱۳-۱۳ر مرتبہ درود شریف پڑھے: ''یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَ الْاَبْصَارِ! یَاخَالِقَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ! یَاعَزِیْزُ یَالَطِیْفُ یَاغَفَّارُ!''۔

ذکر کردہ عمل چالیس دن تک لگاتار کرتا رہے اور چالیس دن کے بعد یہ دعا روزانہ ۲۱ر مرتبہ پڑھے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳ر۲۲۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بد اطوار بیوی کی اصلاح کا عمدہ طریقہ

(سوال): میری عورت کا نام خالدہ ہے، آج سے تقریباً آٹھ سال قبل میری شادی کے ابتدائی ایام میں میرے گھر کے اوپر میرے چچا کا گھر ہے وہاں شادی تھی، (چچا کی لڑکی کی شادی تھی) اس لیے فقط رشتے داروں کو ہی کھلایا جارہا تھا، تیسرے منزلے پر (...) میری دوسری چچازاد بھاوجیں اور میری عورت وغیرہ کھانا پکار ہی تھیں، میں مغرب کی نماز کے بعد آیا تو نیچے سے میں نے دیکھا کہ میری عورت کھلے سر کھڑکی پر

بیٹھی ہنس رہی ہے (یعنی تیسرے منزلے پر جو کھڑکی ہے وہ زینے کے بالکل سامنے پڑتی ہے اور دوسرے منزلے کا زینہ آنگن کے سامنے پڑتا ہے) اس لیے تیسرے منزلے کی کھڑکی نیچے سے صاف دکھائی دیتی ہے۔

پھر میں اوپر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کھڑکی کے سامنے؛ یعنی دیوار کے ساتھ دوسرے منزلہ پر میرا چچازاد بھائی -جو مجھ سے بڑا ہے اور اس سے میں نے پردہ کرنے کا بھی کہا تھا، وہ- بلا کسی خوف وخطر کے بیٹھا ہنستے باتیں کر رہا ہے، میں اس کے پاس جا کر بیٹھا تو میری بھتیجی؛ یعنی کہ اسی چچازاد بھائی کی لڑکی بولی کہ: چچا آئے؛ چناں چہ مجھے ایک دوسرے کو بلانے کے لیے بھیج دیا، میں واپس آیا اس وقت بھی میں نے وہی دیکھا، اس وقت لائٹ نہ تھی، نیچے اور لال ٹین جل رہی تھی۔

اسی وقت سے میرے دل میں شک ہے اور مجھے چین نہیں ہے، اسی وقت میں نے کسی اور بہانے سے بیوی کو مار کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا؛ مگر دل میں جو داغ لگ گیا ہے وہ جاتا نہیں اور مجھ کو بار بار وہی سوال ستاتا ہے، میں نے اپنی عورت کو صاف طور پر کھل کر پوچھ لیا؛ مگر وہ منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ: وہ فلاں؛ یعنی کہ میرے چچازاد بھائی کی لڑکی؛ یعنی کہ وہ سامنے بیٹھنے والے لڑکے کے سگے بھائی کی لڑکی تھی اور جھوٹی سچی قسمیں کھاتی ہے، اب اس تناظر میں آپ سے کچھ رہبری چاہتا ہوں۔

میں نے سوچا ہے اس کے ثبوت کے لیے باوا گور، یا پھر کیم، کوٹھوا؛ یعنی کہ کسی درگاہ پر لے جاؤں، تو وہ کیسا ہے؟ خلاصہ یہ کہ میرے دل میں سے یہ حقیقت نکل جائے اور جھوٹ یا سچ معلوم جاوے، یہی میری نیت ہے، ایسے کئی واقعات ہیں، جب یاد آتے ہیں تو خودکشی کا ارادہ ہوتا ہے۔ ہاں! البتہ ابھی کوئی خراب کام ہوا ہو ایسا میں نے

نہیں دیکھا؛ مگر اس طرح ہنسی مذاق میرے کئی رشتے داروں کے ساتھ کرتے ہوئے متعدد بار دیکھا ہے جو مجھ کو ناپسند ہے۔

دوسرا یہ کہ ضدی مزاج ہے، اس سے بھی میں راضی نہیں ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

خلاصہ مزید یہ کہ میں الگ رہتا ہوں، بہنیں ساری شادی شدہ ہیں اور بھائی سب اپنے معاملوں میں الجھے ہوئے ہیں، اکیلی میری اولاد کو سنبھالنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور یہ اس کا فائدہ اٹھاتی ہے، میری اجازت کے بغیر میرے گھر کی چیزیں اس کے میکے میں دیتی ہے، اور میری جیب سے میرے منع کرنے کے باوجود پیسے نکال لیتی ہے اور مجھے خبر بھی نہیں کرتی، تو اس سلسلے میں بھی رہبری فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹ (النساء)

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو (یعنی خوش اخلاقی اور نان ونفقہ کی خبر گیری) اور اگر (بہ تقاضائے طبیعت) وہ تم کو ناپسند ہو (مگر ان کی طرف سے کوئی امر ناپسندیدگی کا موجب واقع نہ ہو) تو (بہ تقاضائے عقل یہ سمجھ کر برداشت کرو کہ) ممکن ہے کہ تم ایک شئ کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت (دنیوی یا دینی) رکھ دے۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: عورت پسلی کی طرح ہے، اگر اس کو درست کرنے جاؤ گے تو توڑ دو گے اور اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اسی ٹیڑھے پن کے

ساتھ اٹھا سکتے ہو۔(بخاری شریف: ۲/۷۷۹)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ: زندگی گذارنے کے آداب میں سے یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ رہے اور ان کی طرف سے پیش آنے والی تکالیف کو برداشت کرتا رہے؛ اس لیے کہ ان کی سمجھ ناقص ہوتی ہے، بایں وجہ ان پر رحم کھانے کی ضرورت ہے۔(احیاء العلوم: ۲/۳۸)

حسنِ سلوک فقط یہی نہیں کہ آپ اس کو کچھ تکلیف نہ دیں؛ بلکہ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرکے اور ان کی طبیعت کی گرمی اور غصہ کے وقت حلم و بردباری سے کام لینا چاہیے، نبیٔ کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا، آپ ﷺ کی پاک بیویاں کئی مرتبہ سامنے جواب دیتی تھیں اور ایک آدھ دن تک آپ ﷺ کے ساتھ بولنا بھی بند کردیتی تھیں، اس کے باوجود آپ ﷺ برداشت کرلیتے تھے۔

البتہ اس کی طرف سے کوئی بات نامناسب ہوئی ہو اس پر روک ٹوک کرنا بھی ضروری ہے، اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون وآئین سے واقف کروایا جائے، عورتوں میں جہالت زیادہ ہوتی ہے اور ساتھ میں سمجھ کم، جس کی وجہ سے وہ اپنے شوہر کے حقوق برابر ادا نہیں کرسکتیں۔

لہٰذا اس کا اچھا علاج یہ ہے کہ اس کو آہستہ آہستہ اچھی باتیں سکھا کر اس کی تربیت کی جائے، فقط مار پٹائی کرنے سے اصلاح مشکل ہے؛ بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مار پٹائی کی عادت ہوجاتی ہے اور پھر وہ بھی مؤثر نہیں رہتی۔

آپ اس کے لیے کمانے کی غرض سے پردیس میں رہتے ہیں؛ مگر آپ اپنی اس غیر حاضری سے عورت اور اولاد کی تربیت کی بڑی ذمّے داری کو بھول رہے ہیں،

آپ کی عدمِ موجودگی میں اولاد کی تربیت بھی آپ کی عورت کرے گی، تو ظاہر ہے کہ اولاد کے اخلاق بھی ویسے ہی ہوں گے؛ لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ آپ بیوی، اولاد کے ساتھ رہ کر وطن میں ہی کچھ کام کرو، روزی بقدرِ ضرورت اللہ تعالیٰ ضرور عطا کردیں گے، اور اولاد کی تربیت کا موقع بھی مل جائے گا جو اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، باقی آپ جتنے زیادہ پیسے کما کر ان کے لیے بھیجو گے اتنا ہی وہ ان کی تربیت کے لیے زیادہ مضر ثابت ہوگا، آپ کے ساتھ میں رہنے کی صورت میں آپ کے دل میں جو شکوک وشبہات ہیں اس کا بھی علاج ہوجائے گا اور عورت اکیلی جو غلط ماحول میں رہی ہے اس سے آپ اس کو دور بھی لے جاسکو گے۔

جب آپ نے غلط کام ہوتے نہیں دیکھا تو دل میں آنے والے ایسے خیالات سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور خودکشی کا تو ہرگز ہرگز نہ سوچیں، یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے، اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کرنے کے برابر ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ فی الحال آپ انڈیا میں آکر ہی روزی کا سامان مہیا کر کے اپنی عورت کو اس مسموم فضا والے ماحول سے الگ کر کے اصلاح کی کوشش کریں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/ ۴۶۸)

فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: میاں بیوی کے جھگڑے کے موقع سے اٹھنے والے کچھ مسائل:

① ایک دوسرے کے حقوق ② نان ونفقہ ③ اولاد کی پرورش ④ عورت کی کمائی کا استعمال ⑤ اسپانسر خرچ وغیرہ کے متعلق شرعی احکام۔

سوال لکھنے سے قبل اس تعلق سے کینیڈا کے مختصراً حالات لکھتا ہوں:

یہاں میاں بیوی کے آپسی جھگڑے طلاق تک پہنچ جاتے ہیں، جس میں یہاں

کے قانون کے مطابق عورت اپنا خرچ، لڑکا یا لڑکی، اٹھارہ سال کی ہو وہاں تک ان کا خرچ اور ہائی اسکول، کالج کرنے والی اولاد کا ۲۳ یا ۲۵ ر سال کا خرچ، کورٹ میں جا کر مانگتی ہے، یہاں کینیڈا کے قانون کے مطابق مردوں پر عورت اور اولاد کو تنخواہ کی طرح خرچ دینا لازمی ہے۔

(الف) کیا شرعاً عورت شوہر کے پاس اس طرح کے خرچ کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(ب) شرعاً مرد پر عورت کو کب تک خرچ دینا لازمی ہے؟ کیا وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

(ج) عورت کو اپنی اولاد کی پرورش کا حق کتنی سال تک ملتا ہے؟

(د) باپ پر اولاد کا نفقہ کتنے سال تک لازم ہے؟

(ھ) باپ اولاد کو رکھنے کے لیے راضی ہو اور ماں حوالے نہ کرے تو اولاد کا خرچ مانگ سکتی ہے یا نہیں؟

(و) یہاں کے قانون کے مطابق ماں کو ۱۲ ر سال تک پرروش کا حق ملتا ہے، اس کے بعد اولاد اپنی مرضی سے ماں باپ میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں رہ سکتی ہیں۔

(ز) عورت یہاں کے قانون کے مطابق باپ کے اولاد کو رکھنے کے لیے تیار ہونے کے باوجود حوالے نہ کرے اور قانون کے مطابق خرچ کا ہی مطالبہ کرے تو کیا حکم ہے؟

(ح) نفقۂ عدت، مہر (اگر باقی ہو) کے سوا سرکاری قانون کے مطابق ہزاروں ڈالر اور آدھی جائداد کا مطالبہ کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

(ط) بہت ساری عورتیں جب نکاح میں ہوتی ہیں اس وقت ۱۵ سے ۲۰ ر سال تک فیکٹری میں کام کرتی ہیں اور جو پیسے کماتی ہیں، اس سے شوہر کو گھر لینے میں مدد کرتی ہیں، تو عورت نے گھر لینے میں جو پیسے خرچ کیے اس میں سے اپنا حق مانگ سکتی ہے یا نہیں؟ کئی عورتیں فیکٹری میں کام نہیں کرتیں، پھر بھی شوہر سے حق وخرچ کا مطالبہ کرتی ہو تو کیا اس طرح مطالبہ کرنا درست ہے؟

(ی) یہاں کی کورٹ میں عورت اپنا یا لڑکوں کا خرچ معاف کر دے تو کورٹ منظور رکھتی ہے، تو کیا عورت شوہر کو معاف کر سکتی ہے؟

(ک) یہاں لڑکا، لڑکی کو طلاق دینے کے لیے اسپون سر خرچ، ٹکٹ وغیرہ کے خرچ کا مطالبہ کرتا ہے، کیا شرعاً وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما

آپ کے سوالات کے جوابات سے قبل بطورِ تمہید کچھ باتیں لکھی جاتی ہیں:

① نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک عظیم معاہدہ ہے جس کے پورا کرنے کی ذمّے داری دونوں نے اپنے اوپر لازم کی ہے۔

نکاح شوہر کی طرف سے بیوی کو مہر دینے، نان و نفقہ ادا کرنے، حسنِ معاشرت اور میل ومحبت کے ساتھ زندگی گذارنے کا اقرار ہے اور بیوی کی طرف سے عفت و پاکدامنی، اطاعت وفرماں برداری کا عہد و پیمان ہے۔

اگر مرد بدعہدی کرے اور اپنی ذمّے داری پوری نہ کرے تو عورت کو طلاق لینے اور نکاح فسخ کرا کر علاحدہ ہو جانے کا حق ہے، اسی طرح اگر بیوی ناشزہ، نافرمان، بے وفا اور بدچلن بن جائے اور نکاح کا مقصد فوت ہو جائے اور ایک دوسرے کے

حقوق کی پامالی ہونے لگے تو ایسے حالات میں اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کے لیے بہتر یہی ہے کہ طلاق دے کر ایسی عورت سے علیٰحدگی اختیار کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: نکاح کے لیے ایسی عورت کا ہونا ضروری ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے موافق ہو اور خانہ داری کی تمام مصلحتیں وہ پورے طور پر انجام دے سکے؛ کیوں کہ میاں بیوی میں صحبت لازمی شئ ہے اور دونوں جانب سے حاجتیں ضروری ہیں، پس اگر عورت بدطینت ہے اور اس کے مزاج میں سختی ہے اور وہ زبان دراز ہے، تو اس شخص پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوجائے گی۔

جو عضو پیدائش سے بدن کا جزو ہو کبھی بدن سے الگ نہ ہوتا ہو، جیسے: آنکھ، دانت، کان، ناک، ہاتھ، پیر وغیرہ، اگر وہ سڑ جائے اور انسان اس کی وجہ سے بے چین اور بے قرار ہوجائے اور اس کی اصلاح کی امید نہ رہے تو آپریشن کر کے اس عضو کو بدن سے الگ کر دیا جاتا ہے، اسی طرح نافرمان اور بے وفا عورت کہ جس نے اپنے معاہدہ کے خلاف کر کے شوہر اور پورے گھر والوں کو رسوا اور ان کی نیند حرام کر رکھی ہو اور ہر ایک کے لیے دردِ سر بنی ہوئی ہو اس کو طلاق دے کر کیوں علیٰحدگی اختیار نہ کی جائے؟ اور سکون حاصل نہ کیا جائے؟

معاہدہ کی خلاف ورزی معمولی بات نہیں ہے، ملازم اگر آقا سے بے وفائی اور خلافِ معاہدہ کرے تو اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے اور جب تک اسے دوسری جگہ ملازمت نہ ملے اس کو تنخواہ ملنے کا قانون نہیں ہے، حکومت کا معزز عہدے دار اگر بغاوت اور بدعہدی کرے تو اس کو عہدے سے برخاست کر کے سزا دی جاتی

ہے، دوسری ملازمت ملنے تک حکومت اسے تنخواہ نہیں دیتی، تو وہ عورت جو شوہر کی نافرمانی اور بدعہدی کرکے اس کے سکون کو ختم کردے اس کے لیے نکاحِ ثانی تک شوہر کے ذمّے نفقہ لازم کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

شرعی اصطلاح میں نفقہ سے مراد خوراک، پوشاک اور رہنے کا گھر ہے، شوہر پر عورت کے نفقہ کے وجوب کا سبب ازدواجی تعلق کا قیام ہے؛ لہٰذا نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہوجاتا ہے، اور جب تک یہ ازدواجی تعلق قائم رہے گا شوہر پر اس کا نفقہ لازم رہے گا اور جب یہ تعلق ختم ہوجائے گا تو سبب کے فوت ہونے کی وجہ سے نفقہ کا لزوم بھی نہ رہے گا۔

مطلقہ عورت کے لیے شرعی حکم یہ ہے: اگر اس کو مہر ادا نہ کی گئی ہو تو مہر ادا کی جائے، حیض آتا ہو تو تین حیض تک، حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ تک، حمل ہو تو وضعِ حمل تک نان ونفقہ دیا جائے اور اگر خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہوئی ہو تو نصف مہر اور اگر مقرر نہ ہوئی ہو تو کپڑے کا ایک جوڑا دیا جائے، اس کے علاوہ نکاحِ ثانی کرنے یا اس کے انتقال ہونے تک شوہر پر اس کا نفقہ لازم کرنا قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف، حدود اللہ سے تجاوز اور شوہر پر ظلم وزیادتی کرنا ہے۔

فانی دنیا کے معمولی مفاد کے خاطر شرعی قانون کے مقابلے میں دنیوی قانون پر عمل کرنا اور ایسے ناجائز نفقہ کا مطالبہ کرنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۱۴-۴۱۸ مختصراً)

②اولاد کے نفقے کے تعلق سے شریعت کا قانون یہ ہے کہ: اگر لڑکی خود مال دار ہو یا کوئی ذریعۂ معاش رکھتی ہو تو اس کا نفقہ والد پر نہیں ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لڑکی کا نفقہ

شادی تک والد پر ہے، اور بالغ لڑکے کا نفقہ باپ پر نہیں؛ البتہ اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو یا طالبِ علمِ دین ہو اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۶۳)

۳ جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور اس کی بات نہ مانتی ہو اور اس کے اصرار کے باوجود اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہ ہو تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۶۷)

۴ لڑکا جب تک سات برس کا نہ ہو تب تک اس کی پرورش کا حق ماں کو رہتا ہے، جب سات برس کا ہو گیا تو اب باپ اس کو زبردستی لے سکتا ہے؛ تاکہ وہ لڑکے کی تعلیم وتربیت کرے اور لڑکی کی پرورش کا حق نو برس کی عمر تک رہتا ہے، جب نو برس کی ہوگئی تو باپ لے سکتا ہے، اب عورت کو روکنے کا حق نہیں۔ (مسائلِ بہشتی زیور: ۱/ ۵۵۴)

۵ لڑکا جب سات سال کا ہو جائے اور لڑکی جب نو سال کی ہو جائے تو باپ ان کو لے لے گا، بچے کو اختیار نہیں ہوگا کہ وہ جس کے ساتھ چاہے رہے۔ (ایضا: ۱/ ۵۵۴)

اب مسئولہ سوالات کے جوابات بالترتیب دیے جاتے ہیں:

(الف) عورت جب تک شوہر کی مطیع وفرماں بردار بن کر اس کی طرف سے دیے جانے والے سارے حکموں پر عمل کرتی رہے گی اس کا نان نفقہ شوہر کے ذمے رہے گا۔ (دیکھیے! تمہید نمبر ایک اور تین) (ب، ج: کا جواب اوپر آ گیا)

(د، و) اولاد کی وہ عمر جس تک پہنچ جانے کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ملتا ہے اس عمر تک پہنچنے کے بعد باپ کا ان کو اپنے پاس رکھنے پر راضی ہونے کے باوجود ماں اولاد کو حوالے نہ کرے تو عورت کو اولاد کے خرچ کا مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

(ھ) آپ شرعی حکم پوچھ رہے ہیں، وہاں کا قانون کیا کہتا ہے اس سے شریعت کا کوئی تعلق نہیں ہے، شرعی حکم کے لیے دیکھیے! تمہید نمبر چار، پانچ۔

(ز) مہر باقی ہو تو وہ اور نفقۂ عدت کے علاوہ دوسرے سارے مطالبے شرعی اعتبار سے جائز اور درست نہیں۔ (دیکھیے! تمہید نمبر ایک)

(ح) فیکٹری میں کام کر کے حاصل کی ہوئی رقم شوہر کو گھر لینے کے لیے بطورِ قرض دی ہو تو اس قرض کی ادائیگی شوہر کے ذمّے ضروری ہے اور اگر اس رقم کے ذریعے رقم کے مطابق اپنا حصہ گھر میں رکھا ہو تو اتنے حصے کی وہ مالک ہے اور اپنی مرضی کے مطابق اس میں جو تصرف کرنا چاہے کر سکتی ہے، اس کے اتنے حصے میں اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر شوہر کچھ بھی نہیں کر سکتا اور اگر اس نے وہ رقم شوہر کو گھر لینے کے لیے بطورِ امداد دی ہو تو عورت کا شوہر پر ایک احسان سمجھا جائے گا، اس صورت میں دونوں میں طلاق ہو کر جدائیگی کے موقع سے عورت جبراً اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی، ہاں! البتہ شوہر اپنی رضامندی کے ساتھ عورت کی جانب سے کی ہوئی امداد کے پیشِ نظر بطورِ احسان کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے؛ بلکہ دینا بہتر ہے۔

(ط) اگر آپ کے سوال سے مراد یہ ہے کہ لڑکے نے لڑکی کو جب بلایا تو اس نے اس کے ٹکٹ کا خرچہ دیا تھا اور اس کو بلانے کے لیے اسپون سر خرچ ہوتا ہے وہ بھی اس نے کیا تھا، اب لڑکی کے بلا کسی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرنے پر لڑکا اس کے لیے کیے ہوئے خرچ کو واپس مانگ رہا ہو تو خلع کا معاملہ کر کے اس کے عوض میں وہ خرچ مانگ سکتا ہے اور اگر آپ کے سوال کی مراد دوسری ہو تو وضاحت کر کے پھر سے جواب حاصل کر لیں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۳/ ۴۹۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

میاں بیوی کے خاص حقوق

سوال: ایک خاندان بیرون میں مقیم ہے، میاں بیوی، تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، مرد تبلیغی کام میں جڑا ہوا ہے اور اکثر جماعت میں ہی رہتا ہے؛ مگر اس کی حالت بہت ہی زیادہ قابلِ افسوس ہے، اپنی عورت پر بہت ظلم کرتا ہے، اسی ظلم اور تنگی کی وجہ سے عورت کو ذہنی بیماری (ہسٹیریا) کا اثر ہوگیا ہے، عورت خاندانی نیک اور نمازی ہے، ان کے آپسی جھگڑوں کا باعث بشکلِ سوالات حسبِ ذیل ہے:

(الف) عورت زیادہ بیمار ہو اس حالت میں مرد جماعت میں جاتا ہے تو عورت منع کرتی ہے پھر بھی وہ جماعت میں چلا جاتا ہے تو اس کا اس طرح جماعت میں جانا کیسا ہے؟

(ب) اسی بیماری کی حالت میں عورت کھانا پکاتی ہے، اور مرد اس کو کہتا ہے کہ: کھانا بچنا نہیں چاہیے، اسی طرح گھٹنا بھی نہیں چاہیے، گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے ہیں، کچھ کھانا بچتا ہے تو عورت مرد کی مار سے بچنے کے لیے زبردستی وہ کھانا پورا کرتی ہے، کبھی اچانک ایک دو مہمان کو لے آتا ہے اور کھانا نکالنے کا کہتا ہے، پھر کھانا ختم ہوجاتا ہے تو ناحق ظلم کرتا ہے کہ کھانا کیسے گھٹ گیا؟

بیماری کی حالت میں عورت سے کھانا بنوانا، مہمانی کروانا، اس میں بھی دو تین طرح کے سالن بنانا بغیر کسی کمی بیشی کے، کیا یہ سراسر ظلم نہیں؟

(ج) ایسی بیمار عورت کے ساتھ مرد ہمیشہ گالی گلوچ کرتا رہتا ہے اور طلاق کی دھمکی بھی دیتا ہے اور اس سے قبل جھگڑے کے دوران دو شرطیہ طلاق دے بھی چکا ہے، اور ہمیشہ کہتا ہے کہ: کچھ الٹا سیدھا کردوں گا اور جب تک مقصد (خواہش پوری کرنے کا) ہوتا ہے اچھا سلوک کرتا ہے اور پھر عورت کی خدمت تو دور رہی، اس کو عورت بھی نہیں

سمجھتا، اس سلسلے میں آپ کا کیا فرمان ہے؟

(د) مزید مرد نے اپنے والدین اور بھائی بہنوں کو یہاں بلا لیا ہے، جس میں مرد وعورت دونوں کا صرفہ لگا ہے، عورت پر چھوٹے بچوں کی پرورش اور مرد کی خدمت کی ذمّے داری کے ساتھ اس کے والدین اور دیوروں کی خدمت بھی کرنا پڑتی ہے، مرد ساری باتوں کا مشورہ فقط اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی کرتا ہے اور عورت کو اس کی اطلاع بھی نہیں کرتا، ان کی خدمت کرنے کے باوجود دیور، ساس، خسر جھگڑا کرتے ہیں، ایسی بیماری کی حالت میں کس کس کی خدمت کرنا فرض ہے؟

ابھی مرد اپنی دو بہنیں جو انڈیا میں ہیں ان کو بھی بلانا چاہتا ہے، اور جب یہ عورت انڈیا میں تھی اس وقت اس کی دونوں بہنیں اس کے ساتھ جھگڑا کرتی رہتی تھیں، ایسی ظالم بہنوں کو بالقصد اس پر مسلط کرنا، جھگڑوں پر مطلع ہونے کے باوجود اپنے خرچ سے ان کو یہاں بلانا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟

(ھ) جوان لڑکیاں گھر میں اکیلی ہیں اور ماں بیماری کی وجہ سے علاج کے لیے انڈیا آئی ہے اور باپ رات دن جماعت میں پھرتا رہتا ہے، جوان لڑکیوں کو غیر ملک کے ماحول میں گھر میں اکیلے رکھنے کے سلسلے میں کیا ہدایت ہے؟ کیا شریعت ایسا کہتی ہے کہ: جماعت میں رات دن گھومو، اور گھر میں جوان لڑکیوں کو اکیلی رکھو؟

(و) کیا بیمار عورت کی خدمت کرنا مرد کے ذمّے ضروری نہیں ہے؟

اسی طرح دوا کا خرچ دینا مرد کے ذمّے ضروری نہیں ہے؟

اوپر کے مسائل میں ہم کو شرعی رہبری عنایت فرماویں؛ تاکہ ہمارا گھر جنت کا باغیچہ بن جاوے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

شریعت نے میاں بیوی دونوں کو اپنے اوپر عائد ذمّے داریاں بتلائی ہیں، نیز مرد پر عورت کے حقوق کی ادائیگی اسی طرح ضروری ہے جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے، ہر فریق کو اپنے حقوق کے مطالبہ کے بجائے اپنی ذمّے داریوں کو نظروں کے سامنے رکھنا چاہیے، اگر وہ لوگ ایسا کریں گے تو حقوق کے مطالبہ کا کوئی جھگڑا ہی نہ ہوگا؛ اس لیے کہ جس طرح مرد پر عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح عورت پر مرد کے حقوق ہیں؛ اس لیے جب دونوں اپنی اپنی ذمّے داریاں ادا کریں گے تو خود بہ خود حقوق کی ادائیگی ہو جائے گی۔

آج کل دنیا کے سارے جھگڑوں کی شروعات یہیں سے ہوتی ہیں کہ ہر ایک اپنے حقوق کا مطالبہ تو کرتا ہے؛ مگر اپنی ذمّے داریوں میں غفلت برتتا ہے، جس کے نتیجے میں حقوق کا مطالبہ لڑائی کی شکل میں سامنے آتا ہے جس کا رواج عام ہو رہا ہے۔ (معارف القرآن)

حدیث شریف میں ہے کہ: عورت کے اوپر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے اور مرد کے اوپر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔ (حاکم)

دوسری ایک حدیث میں ہے کہ: اگر عورت پانچ وقتوں کی نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے، اسی طرح اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مسندِ احمد)

ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: میں عورتوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، مردوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کیا ہے، اس میں ان کو کچھ تکلیف پہنچتی ہے، تو ان کو اس پر ثواب ملتا ہے اور اگر

شہید ہوجاتے ہیں تو اپنے پروردگار کے یہاں زندہ رہ کر روزی حاصل کرتے ہیں، اور ہم عورتیں جو ان کی خدمت کرتی ہیں تو اس کے بدلے میں ہم کو کیا ملے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: جن عورتوں سے تمھاری ملاقات ہو ان کو یہ پیغام پہنچادو کہ شوہر کی فرماں برداری اور اس کے حقوق کو ادا کرنا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے برابر ہے؛ مگر تم میں سے بہت کم عورتیں ایسا کرتی ہیں۔ (مسندِ بزار، طبرانی)

شوہر کے حقوق میں سے ایک عظیم حق یہ بھی ہے کہ: شوہر کے رشتے داروں، بہن، بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرے، ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے؛ اس لیے کہ عورت کے اس اچھے برتاؤ کی وجہ سے شوہر کو خوشی ہوگی اور اسے سکون پہنچے گا اور عائلی وخانگی زندگی میں میاں بیوی کا باہمی رابطہ مضبوط ہوگا اور الفت و محبت بڑھے گی۔ (اسلام اور شادی: ۱۶۲)

لہٰذا تمھاری تکالیف کا اصل حکم تو یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی کر کے اس کے دل میں جگہ حاصل کرو، محبت کا رشتہ مضبوط کرو، اس طرح سوالات کرنے سے آپ کا مسئلہ حل نہیں ہوگا، اب آپ کے سوالات کے جوابات ملاحظہ کیجیے:

(الف) جماعت میں جانے کے لیے مرد پر عورت کی اجازت ضروری ہو ایسا کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا؛ البتہ اخلاق ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ عورت بیمار ہو اور شوہر کی نگرانی کی محتاج ہو تو شوہر کو چاہیے کہ حالات اور مواقع کو سامنے رکھ کر ایسے اوقات میں کوئی سفر نہ کرے۔

(ب،ج) شوہر کے مال کی حفاظت کرنا عورت کی ذمّے داری ہے،: لہٰذا کھانا بناتے وقت اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کسی قسم کا کوئی بگاڑ نہ ہو؛ البتہ تھوڑا سا کھانا

بچ جانا یہ تو معمولی بات ہے، ایسی معمولی باتوں میں مارنا رذیلہ پن ہے جو ایک مؤمن کی شان نہیں ہے۔ بیماری کی وجہ سے کھانا بنانے کی طاقت نہ ہو تو اس کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا، ایسی حالت میں گھر کے کام میں اس کی مدد کرنی چاہیے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھریلو کاموں میں اپنی پاک بیویوں کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ (بخاری)

(د) شرعی اعتبار سے نند کو بلانے کا خرچہ عورت پر واجب نہیں ہے، اس کے لیے عورت پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا، ہاں! عورت مرد کی رضامندی کے خاطر اس میں حصہ لینا چاہے تو لے سکتی ہے، مرد پر ضروری ہے کہ ایک کے حق کے خاطر دوسرے کا حق نہ مارے۔

(ھ) اپنی عورت، بیٹیوں کی عزت کی حفاظت مرد پر ضروری ہے، کوئی بھی ایسا کام جس سے ان کی عزت خطرے میں پڑتی ہو جائز نہیں۔

(و) شرعی وفقہی اعتبار سے واجب نہیں، البتہ حسنِ سلوک کا تقاضا ایک الگ بات ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/۴۶۰-۴۶۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

داماد ساس کے لیے محرم ہے یا نہیں؟

سوال: سنا ہے کہ داماد ساس کے لیے محرم ہے؛ مگر ساس کے جوان ہونے کی صورت میں داماد سے پردہ کرنے، حج کے لیے باعتبار محرم کے ساتھ میں لے جانے کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

ساس کے جوان ہونے کی صورت میں داماد کا اس کو تنہائی میں ملنا درست نہیں ۔ (شامی: ۵/۲۳۶) اسی طرح محرم کے طور پر اس کے ساتھ حج میں بھی نہ جائے۔ (معلم الحجاج: ۸۴)

دوسری شادی

دو بیویوں کی اولاد کے بیچ ناانصافی کرنے والا کیسا ہے؟

سوال: ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں، پہلی عورت کے تین لڑکے ہیں جو شادی شدہ ہیں، پہلی عورت کی حیاتی میں اس نے دوسری شادی کی جس سے ایک لڑکا اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، وہ بھی شادی شدہ ہیں، اس کے بعد پہلی عورت کا انتقال ہو گیا، اب یہ آدمی دوسری بیوی کے فقط ایک ہی لڑکے پر اپنی ساری جائداد صَرف کرتا ہے اور پہلی عورت کے تینوں لڑکوں کا بالکل خیال نہیں رکھتا۔

دوسری بیوی کے لڑکے کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے بہترین راہ ہموار کر رہا ہے، جیسا کہ ابھی کچھ وقت پہلے خطیر رقم (ڈھائی لاکھ روپیے) کا اس لڑکے کو مالک بنایا، کیا وہ آدمی شرعاً گنہگار ہوگا؟ اگر نہیں تو کس وجہ سے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

بلا کسی شرعی وجہ کے اولاد میں سے ایک کو دینا اور دوسرے کو محروم رکھنا، یا ایک کو زیادہ دینا اور دوسرے کو کم دینا کارِ گناہ ہے، مطلب یہ کہ ایک کو نقصان پہنچانا اور دوسرے کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو، اور کوئی وجہِ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے؛ تاہم ایسا کرنے سے ہبہ درست ہو جائے گا؛ یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں کہ زیادہ والے سے نزاع کرے۔

اور اگر کوئی وجہِ شرعی ہے، مثلاً: جس کو زیادہ دیتا ہے وہ صالح اور دین دار ہے

اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جس کو کم دیتا ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتا ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں ہے؛ بلکہ جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۵)

مسلم شریف میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میری والدہ عَمرہ بنتِ رواحہ نے میرے والد سے ان کے مال میں سے بطورِ ہبہ کچھ مال اپنے بیٹے کو دینے کی خواہش ظاہر کی، تو میرے والد ایک سال تک ٹالتے رہے، پھر ان کو بھی خیال ہوا کہ بیوی کی اس درخواست کو پورا کیا جائے، (چناں چہ مجھ کو اس کے مطابق دینا طے کیا) تو میری والدہ نے کہا کہ: جب تک تم میرے لڑکے کو جو کچھ دے رہے ہو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ نہیں بناؤ گے میں راضی نہیں ہوں گی۔

تو میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑا، اس وقت میں چھوٹا بچہ تھا اور مجھ کو لے کر دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اس لڑکے کی ماں (عمرہ بنتِ رواحہ) ایسا چاہتی ہے کہ: اس کے لڑکے کو جو کچھ دے رہا ہوں اس پر آپ گواہ بنیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: اے بشیر! کیا اس لڑکے کے سوا آپ کی کوئی اولاد ہے؟ میرے والد نے جواب دیا: جی ہاں!

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا ان سب کو تم نے اتنا دیا ہے (جتنا اس لڑکے کو دیا ہے)؟ میرے والد نے کہا کہ: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تب تو مجھ کو گواہ نہ بناؤ؛ اس لیے کہ میں ناانصافی کی بات پر گواہ نہیں بنتا۔

دوسری ایک روایت میں ہے کہ: کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ نیکی اور اچھے سلوک میں تمھاری تمام اولاد برابر رہے؟ تو میرے والد نے کہا: ہاں! کیوں نہیں؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تو ایسا نہ کرو (یعنی ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو

ایسا نہ کرو)۔(مسلم شریف:۲/ ۳۷)

اوپر ذکر کردہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے تکملۂ فتح الملہم کے مؤلف لکھتے ہیں کہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے متعلق تمام روایتوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بغیر کسی وجہ کے صرف ایک لڑکے کو دوسری اولاد پر ہبہ دے کر فوقیت دی گئی ہے؛ کیوں کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی عورت کے اصرار پر کیا تھا، اپنی خوشی سے نہیں؛ بایں وجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ ان کی عورت اپنے لڑکے کو دوسری اولاد کے مقابلے میں زیادہ دلوانا چاہتی ہے، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ناانصافی کی بات فرما کر اس پر خود گواہ بننے سے انکار کر دیا اور ان کو ایسا کرنے سے روکا۔(۲/ ۷۱)

اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اولاد کے درمیان ہبہ کرنے میں مساوات مستحب ہے، پس بعض کو بعض پر فضیلت نہ دے، اگر بعض کو دیا اور بعض کو نہ دیا تو امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، حرام نہیں، اور اگر تمام مال ایک لڑکے کو دے دیا تو قضاءً جائز ہے اور گنہگار ہوگا۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/ ٦٦)(محمود الفتاویٰ گجراتی:۲/ ۱۱٦-۱۱۸)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نکاحِ بیوگان شریعت سے ثابت ہے؟

سوال: نکاحِ بیوگان شریعت سے ثابت ہے؟

اگر ثابت ہے تو کونسے درجے کا؟ سنت ہے کہ مستحب؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

جائز ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویوں میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

علاوہ ساری ازواجِ مطہرات پہلے دوسروں کے نکاح میں تھیں۔

اگر کسی جگہ بیوہ سے نکاح کو برا سمجھا جاتا ہو تو وہاں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اور اس صورت میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: بیوہ عورت اگر نکاح کر لے تو اس کو کتنا ثواب ملے گا؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

بہشتی زیور میں حضرت حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ: ان ہی بیہودہ رسموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیوہ عورت کے نکاح کو برا اور عار سمجھتے ہیں، خاص کر شریف لوگ اس میں زیادہ مبتلا ہیں، شرعاً و عقلاً جیسا پہلا نکاح ویسا دوسرا، دونوں میں فرق سمجھنا محض بے وجہ اور بے وقوفی ہے، صرف ہندوؤں کے میل جول اور کچھ جائیداد کی محبت سے یہ خیال جم گیا ہے، ایمان اور عقل کی بات یہ ہے کہ جس طرح پہلے نکاح کو بلا روک ٹوک کر دیتے ہیں اسی طرح دوسرا نکاح بھی کر دیا کریں، اگر دوسرے نکاح سے دل تنگ ہوتا ہے تو پہلے سے کیوں نہیں ہوتا؟

عورتوں کی ایسی بری عادت ہے کہ خود کرنا اور رغبت دلانا تو درکنار اگر کوئی خدا کی بندی خدا اور رسول کا حکم سر آنکھوں پر رکھ کر کر بھی لے تو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں، بات بات میں طعنہ دیتی ہیں، ہنستی ہیں، ذلیل کرتی ہیں، غرض یہ کہ کسی بات میں بے چوٹ کیے نہیں رہتیں، یہ بڑا گناہ ہے؛ بلکہ اس کو عیب سمجھنے میں کفر کا خوف ہے؛ کیوں کہ شریعت کے حکم کو عیب سمجھنا اس کے کرنے والے کو حقیر جاننا کفر ہے۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ ہمارے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی بیبیاں تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی بھی کنواری نہ تھی، ایک ایک، دو دو نکاح پہلے ہو چکے

تھے تو کیا نعوذ باللہ ان کو بھی برا کہو گی؟ کیا توبہ توبہ تمھاری شرافت ان سے بڑھ گئی کہ جو کام انھوں نے کیا، خدا اور رسول نے جس کا حکم کیا اس کے کرنے سے تمھاری عزت گھٹ جائے گی؟ آبرو میں بٹہ لگ جائے گا؟ ناک کٹ جائے گی؟ تو یوں کہو کہ: مسلمان ہونا ہی تمھارے نزدیک بے عزتی کی بات ہے!

خوب یاد رکھو کہ جب تک اِس خیال کو اپنے دل سے دور نہ کرو گی اور پہلے اور دوسرے نکاح کو یکساں نہ سمجھو گی تب تک ہرگز تمھارا ایمان درست اور ٹھیک نہ ہوگا...

حدیث میں ہے: جو کوئی میرے چھوٹے ہوئے طریقے کو پھر پھیلائے اور جاری کرے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ: ۳۰)

اس لیے بیوہ عورتوں کے نکاح میں جو کوئی کوشش کرے گا اور اس کا رواج پھیلائے گا اور جو بیوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اور رواج پڑنے کے لیے اپنا نکاح کر لے گی وہ سو شہیدوں کا ثواب پائے گی۔ (اختری بہشتی زیور: ۶/ ۴۶-۴۷) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

مطلقہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی فضیلت

سوال: مطلقہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی فضیلت مذہبِ اسلام میں کیا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

دینی مصلحت کو پیشِ نظر رکھ کر ثیبہ (مطلقہ اور بیوہ) عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو شریعت نے اچھا اور افضل بتلایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی بہنوں کا خیال کر کے ایک ثیبہ عورت کے ساتھ نکاح کیا، اس کو نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سراہا اور ان کے اس اقدام کو پسند کیا۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا، جن کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے طلاق دی گئی تھی؛ بلکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کے سامنے کہتی تھی کہ: تمھارا نکاح تمھارے بڑوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم

طلاق شدہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا کیسا ہے؟

سوال: کوئی مرد کسی مطلقہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے پر رضا مند ہو اس کو ایسے اچھے کام سے روکنا کیسا ہے؟ کیا یہ روکنا گناہ کے کام میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

اگر وہ عورت جس کے ساتھ وہ مرد نکاح کرنا چاہتا ہے اس میں کوئی دینی یا شرعی خرابی ہو اور اس کی وجہ سے دوسرا شخص نکاح سے روکتا ہے تو روکنے والا گنہگار نہیں ہے؛ بلکہ شرعی اعتبار سے اس شخص کا یہ کام قابلِ مبارک باد ہے اور اگر اس میں کوئی دینی خرابی نہیں ہے؛ بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ مطلقہ ہے اس بنیاد پر روک رہا ہے تو اس کا یہ فعل قابلِ ترک ہے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲۱۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی سے اجازت

سوال: اگر کوئی شخص دوسرا نکاح کرے تو اسے پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

دوسرا نکاح کرنے کے لیے پہلی بیوی کی اجازت ضروری نہیں ہے؛ البتہ دوسرا نکاح کرنے کے بعد حقوق کی ادائیگی میں دونوں میں عدل اور مساوات کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۵/ ۳۲۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی

سوال: میں نے ایک لڑکی سے شادی کی اور لڑکی مجھ کو پسند نہیں ہے، دونوں کا جوڑا برابر نہیں ہے تو میں دوسری شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ دوسری شادی کرنے کے بعد پہلی عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

اگر آپ عدل وانصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے دونوں بیویوں کے حقوق کو ادا کر سکتے ہیں تو دوسری شادی کی اجازت ہے؛ لقوله تعالیٰ:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (محمود الفتاویٰ اردو: ۴/ ۳۹۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

دوسرا نکاح کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا

سوال: (الف) کیا نکاحِ ثانی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت لینا ضروری ہے؟

(ب) اگر بیوی دوسرا نکاح نہ کرنے پر بضد ہو تو شوہر کیا کرے؟

(ج) کیا پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کر سکتا ہے؟

(د) کن حالات میں دوسرا نکاح کرنا چاہیے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

(الف) ضروری نہیں۔

(ب) استخارہ کرلے۔

(ج) کرسکتا ہے۔

(ھ) باری تعالیٰ کاارشاد ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ یعنی اگرتم کواس کا خوف ہوکہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو۔

اِس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز اور مناسب ہے جب کہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کرسکے اورسب کے حقوق کالحاظ رکھ سکے، اگراس پرقدرت نہ ہوتوایک ہی بیوی رکھی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآنِ کریم نے چارعورتوں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت دے دی اوراس حد کے اندرجونکاح کیے جائیں گے وہ صحیح اورجائز ہوں گے؛ لیکن متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں اس میں عدل ومساوات قائم رکھنا واجب ہے اوراس کے خلاف کرنا گناہِ عظیم ہے؛ اس لیے جب ایک سے زائد نکاح کاارادہ کروتو پہلے اپنے حالات کا جائزہ لوکہ سب کے حقوق عدل ومساوات کے ساتھ پورا کرنے کی قدرت بھی ہے یانہیں؟

اگر یہ احتمال غالب ہوکہ عدل ومساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک سے زائد نکاح پراقدام کرنا اپنے آپ کوایک عظیم گناہ میں مبتلا کرنے پراقدام ہے، اس سے باز رہنا چاہیے اوراس حالت میں صرف ایک ہی بیوی پراکتفا کرنا چاہیے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۹۴) (محمود الفتاویٰ اردو: ۴/ ۳۹۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

دوسرا نکاح کرنے پر پہلی عورت، اس کے بچوں اور سسرال والوں کی طرف سے ڈھائے جانے والے ظلم کے متعلق چند خصوصی سوالات اور اس کے جوابات

سوال:(۱) میری عمر اکسٹھ سال کی ہے، میری اولاد میں پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، میرے سارے لڑکوں کی شادی ہوچکی ہے، ایک لڑکا عالم ہے، دوسرے لڑکے کو دنیوی تعلیم دلانے کی بہت کوشش کی؛ مگر حاصل نہ کرسکا، خلاصہ یہ کہ میں اس طرح ہر ایک کی دینی و دنیوی ذمّے داری پوری کرچکا ہوں۔

میری عورت شروع ہی سے بدمزاج، ضدی اور عیب کی متلاشی رہی ہے، پچھلے بیس سال سے میں بہت پریشان ہوچکا ہوں، میں نے ابتدا میں یہ سوچا تھا کہ دوسرا نکاح کرلوں گا اور آرام سے زندگی بسر کروں گا؛ لیکن اولاد کی صغرِ سنی کے باعث میں نے یہ قدم نہیں اٹھایا؛ نیز میرے دل میں یہ بات بھی تھی کہ اولاد بڑی ہونے کے ساتھ اس کے مزاج میں درستگی آجائے گی؛ لیکن ایسا نہیں ہوا؛ چناں چہ میں نے دوسری شادی کا فیصلہ کرلیا۔

اب دوسری شادی کے مسئلے کو لے کر گھر میں جو فتنہ برپا کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر میں چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں، آپ سے امید ہے کہ تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں گے۔

دس مہینے قبل جب میں نے دوسرے نکاح کا ارادہ ظاہر کیا تھا، تب سے میری

پہلی عورت نے کھلی مخالفت شروع کردی تھی، بعدہ میری اولاد، میرے داماد اور سسرالی رشتے داروں نے متعلقین کے سامنے جھوٹی سچی باتیں اور الزامات بڑے مؤثر انداز میں پیش کرکے میری بدنامی کی؛ یہاں تک کہ کچھ لوگ تو ان کی باتوں کو حقیقت سمجھنے لگے اور بعض دوسرے حضرات جو میرے خلاف موقع کے متلاشی تھے انھوں نے بھی موقع کا خوب فائدہ اٹھایا۔اب میرا سوال یہ ہے کہ:

(الف) کیا میری عورت کا میرے ساتھ یہ سلوک درست ہے؟

(ب) کیا اس طرح یک طرفہ بات سن کر میرے ساتھ یہ سلوک کرنا درست ہے؟ مزید برآں اس کو درست ماننا جائز ہے؟ درست ماننے والوں پر کون سا گناہ عائد ہوگا؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

(الف) اللہ تعالیٰ نے شوہر کو بڑا حق دیا ہے اور اس کو بہت ہی بلند مقام عطا کیا ہے، شوہر کو راضی اور خوش رکھنا بہت بڑی عبادت ہے، اس کو ناراض کرنا بہت بڑا گناہ ہے، نبیٔ کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: جس عورت کا انتقال ایسی حالت میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ عورت جنتی ہے۔(ترمذی شریف)

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔(ترمذی شریف)

آپ کی عورت کا آپ کے ساتھ سوال میں ذکر کردہ سلوک ناجائز اور کارِ گناہ ہے۔

(ب) دیگر حضرات کو یک طرفہ عورت کی بات سن کر آپ کو بدنام کرنا شرعی تعلیمات کے خلاف ہے، اگر عورت کی ان باتوں میں آپ پر جھوٹی تہمت بھی لگائی گئی ہو اور دیگر حضرات بغیر کسی تحقیق کے مان کے آپ کے خلاف وہی باتیں پھیلاتے ہوں

تو وہ بھی جھوٹی تہمت لگانے کے گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جو شخص کسی مسلمان پر ایسی تہمت لگائے جو اس میں نہ ہو؛ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخیوں کے لہو اور پیپ کے جمع ہونے کی جگہ رکھیں گے؛ یہاں تک کہ وہ اپنے کہے سے باز آئے اور توبہ کرے۔ (اختری بہشتی زیور: ۳۸/۷) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۲) میری عورت کھلی نافرمانی پر اتر آئی ہے اور میرے لڑکوں کو بھی میری اطاعت سے منع کرتی ہے، میرے دونوں لڑکے اسی کے ساتھ رہتے ہیں، میں گھر میں بہت کم وقت رہتا ہوں، میرے لڑکے اس کی باتوں میں آکر میری اطاعت نہیں کرتے؛ جب کہ میں ان کو خلافِ شرع کسی کام کا حکم نہیں کرتا۔

کیا ان کا یہ رویہ درست ہے؟ کیا والدہ کی خلافِ شرع باتوں میں اطاعت کرنا اور میری باتوں کو ٹھکرانا جائز ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما!

لڑکوں کا اپنی والدہ کی باتوں میں آکر والد کی نافرمانی کرنا خصوصاً جب کہ والدہ کی باتیں خلافِ شرع ہوں حرام اور فعلِ گناہ ہے۔

والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے؛ مگر جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا حکم دیں جو شریعت کے خلاف ہو تو اس میں ان کی اطاعت کی ہرگز اجازت نہیں، شریعت نے جن (والدین، شوہر وغیرہ) کی فرماں برداری کا حکم دیا ہے وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کام خلافِ شرع نہ ہو، حدیث میں ہے:

إنما الطاعة في المعروف. (بخاری شریف)

لہٰذا آپ کے لڑکوں کا سوال میں ذکر کردہ فعل ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

(سوال): (٣) جیسا کہ میں بتلا چکا کہ میری بیوی بدمزاج اور نافرمان ہے اور پچھلے بیس سال سے میں سخت پریشان ہوں، اسی وجہ سے میں نے دوسرے نکاح کا فیصلہ کیا ہے اور مجھ میں دوسری، تیسری بیوی کے حقوق ادا کرنے کی طاقت بھی ہے، نیز اس وقت مجھ کو لائقِ خدمت فرد کی ضرورت بھی ہے، میں نے پہلی بیوی کے آج تک کے سارے حقوق ادا کیے ہیں اور آئندہ بھی اس کے سارے حقوق ادا کرنے کے لیے تیار ہوں، تو کیا ان حالات میں میرے لیے دوسری اور تیسری شادی کرنا جائز ہے؟

یاد رہے کہ میں اپنا ہر کام حدودِ شرع میں رہ کر کرنا چاہتا ہوں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

آپ نے پہلی عورت کے سارے حقوق ادا کیے ہیں، تب بھی وہ اپنی بدمزاجی کی بنا پر آپ کی نافرمان بنی ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے ہونے والی پریشانیوں کی بنا پر آپ نے دوسرے نکاح کا فیصلہ کیا ہے اور دوسری آنے والی عورت کے بھی سارے حقوق ادا کرنے پر آپ قادر ہیں اور دوسرے نکاح کے بعد بھی پہلی بیوی کے جو حقوق آپ پر عائد ہیں وہ ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، تو آپ کے لیے دوسرا نکاح کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں؛ بلکہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

(سوال): (٤) میری عورت میرے لڑکوں کو یہ مسئلہ اٹھا کر بھڑکاتی ہے کہ اگر اس نے دوسرا نکاح کرلیا تو سارا مال وملکیت دوسری بیوی اور اولاد کو دے دے گا، تم کو کچھ بھی نہ دے گا، کیا یہ ایک جھوٹا الزام نہیں ہے؟ کیا کسی بیوی کے لیے اپنے شوہر پر

اس طرح کا الزام لگانا جائز ہے؟ اس میں کیا گناہ ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

آپ کی عورت کا یہ مسئلہ اٹھا کر آپ کے لڑکوں کو آپ کے خلاف ابھارنا ناجائز اور گناہ ہے اور اس کی اس طرح کی بے بنیاد باتوں کو سن کر لڑکوں کا جذبات میں آجانا اور اپنے والد کے دوسرے نکاح میں آڑ بننا سخت گناہ ہے، لڑکوں کی ذمّے داری تو یہ ہے کہ اپنی والدہ کی بدمزاجی کی وجہ سے ہونے والی پریشانیاں دور کرنے میں والد کا ساتھ دیں، اس کے بجائے والد اپنے ہونے والی پریشانی کو دور کرنے کے لیے دوسری شادی کا ارادہ کر رہے ہیں اس میں دخل اندازی کر کے والد کی پریشانی میں مزید اضافہ کر رہے ہیں، بلاشبہ ان کا یہ فعل والد کی نافرمانی اور ان کو تکلیف و دکھ پہنچانے کے مترادف ہو کر گناہِ کبیرہ شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۵) میرے لڑکے مجھے جس کے ساتھ دوسرا نکاح کرنا ہے اس کے بھائی کو کھلی دھمکی دیتے ہیں کہ اگر آپ کی بہن نے ہمارے والد کے ساتھ نکاح کیا تو ہم تمھارے ہاتھ پیر توڑ دیں گے، تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہمارے والد سے دور رہو، نہ تم ان کے ساتھ بات کرو، نہ دعا سلام، اور نہ اپنے گھر بلاؤ، کسی قسم کا تعلق نہ رکھو، کیا ایک بے گناہ آدمی کو اس طرح دھمکی دینا جائز ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

ان کی یہ حرکت بھی ناجائز ہے، کسی مسلمان کو اس طرح ڈرا دھمکا کر تکلیف پہنچانا کارِ گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (٦) ایک مرتبہ میں دوسرے گاؤں سے واپس ہوا تو اس آدمی نے

فون پر بات کی اور میری طبیعت اور خیر خیریت پوچھی، اس بات کی اطلاع جب میری عورت اور لڑکوں کو ہوئی تو وہ سو آدمیوں کا مجمع لے کر مارنے دھمکانے گئے اور اس کو خوب ڈرایا اور دھمکایا۔

(الف) کیا کسی بے گناہ آدمی پر اس طرح ظلم کرنا جائز ہے؟

(ب) اور شریعت کی روشنی میں ان لوگوں کے لیے کیا حکم ہے جو میری بیوی اور لڑکوں کا ساتھ دیتے ہیں؟ اس آگ کو بھڑکانے میں انھیں لوگوں کا زیادہ تعاون ہے۔

(ج) ان لوگوں میں بڑی تعداد حاجی اور عالموں کی ہے اور جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ میرا ایک لڑکا اور داماد عالم ہے، ان کے علاوہ دوسرے بھی چند علما ان کے ساتھ ہیں، جن سے میری لوجہ اللہ دشمنی ہے وہ بھی ایسی غلط باتوں میں سہارا دے رہے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ ان کا یہ طریقہ شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما!

(الف) اس طرح کسی کی عزت وآبرو ریزی کرنے کو بدترین سود کہا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ:۴۲۹)

(ب) حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن سارے انسانوں میں انتہائی خراب حالت میں وہ شخص ہوگا جو دوسروں کی دنیا کے لیے اپنی عاقبت برباد کردے۔ (ایضاً:۴۳۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

جو شخص کسی کو ظالم سمجھنے کے باوجود اس کے ساتھ دینے کے لیے اس کے ساتھ چلا تو وہ اسلام سے نکل گیا۔ (مشکوٰۃ:۴۳۶)

حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص کسی مؤمن کو تکلیف پہنچائے وہ

لعنتی ہے۔(مشکوٰۃ:۴۲۸)

(ج)اللہ ورسول کے قانون کوتوڑنا اورخلافِ شرع کوئی کام کرنا تمام مسلمانوں کے لیے گناہ اورقابلِ ترک فعل ہے اور باوجود عالم ہونے کے ایسے کاموں کا ارتکاب کرنا تو مزید سنگین ہے، حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن ایک شخص (یعنی ایک نوع آدمیوں کی؛ چاہے اس نوع کے کتنے ہی آدمی ہوں) لایا جائے گا اوراس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جس سے اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اوروہ ان کے اردگرد اس طرح گھومے گا جیسے چکی کا گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے، جہنم کے لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہوجائیں گے اوراس سے دریافت کریں گے کہ: تجھے کیا ہوا؟ توتو ہم کواچھی باتوں کا حکم کرتا تھا، بری باتوں سے روکتا تھا، وہ جواب دے گا: میں تم کواس کا حکم کرتا تھا؛لیکن خوداس پرعمل نہیں کرتا تھا۔(فضائلِ صدقات:۳۵۱/۲)

ایک اورحدیث میں ہے کہ زبانیہ(فرشتوں کی وہ سخت ترین جماعت ہے جو لوگوں کوجہنم میں پھینکنے پر مامور ہے) ایسے پڑھے لکھوں کو جوفسق میں مبتلا ہوں کافروں سے بھی پہلے پکڑیں گے (اور جہنم میں ڈالیں گے) وہ کہیں گے: یہ کیا ہوا، ہماری پکڑ کافروں سے پہلے ہورہی ہے؟ ان کو جواب دیا جائے گا کہ: عالم اور جاہل برابرنہیں ہوتے۔(ایضاً)فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۷) میرے پاس گاؤں میں جو مکان، زمین، دکان اورکھیت ہیں اس کا میں تنہا مالک ہوں، جب بات بڑھ گئی تو میں نے کہا کہ: میرا گھراوردکان خالی کردو،اسی طرح میرا کھیت اوردودھ وغیرہ استعمال کرنا بند کردو،اورخود کی کمائی کھاؤاور جہاں اچھا لگے وہاں جاکررہو؛مگر انھوں نے صاف انکارکردیا،اور کہا کہ: نہ تو ہم گھر

خالی کریں گے اور نہ کھیت، اور نہ دکان چھوڑیں گے، یہ سب ہمارا ہے اور ہمارے لیے جائز ہے، کیا ان کا یہ برتاؤ صحیح ہے؟ اور کیا ان کی یہ حرکت درست ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

آپ کے ساتھ اوپر ذکر کردہ برتاؤ کے بعد اپنی جائداد (مکان، زمین، دکان، کھیتوں) سے فائدہ اٹھانے کو صاف طور پر منع کر دینے کے باوجود ان کا اس پر قبضہ جمائے رکھنا اور اس کی آمدنی کو اپنے استعمال میں لانا وغیرہ امور ناجائز اور حرام ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: سنو! کسی آدمی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ: ۲۵۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۸) میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ: تو میرے دوسرے نکاح میں حائل مت ہو، میں نے آج تک تیرے سارے حقوق ادا کیے ہیں اور دوسرے نکاح کے بعد بھی ادا کروں گا؛ لہٰذا تو یہ سوال چھوڑ دے کہ میں دوسرا نکاح کروں کہ نہیں؟

(الف) اس بات میں اگر میں ناحق پر ہوں تو میری رہبری فرمائیں، ان شاء اللہ! میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔

(ب) اور اگر میری بیوی کی بھول ہو تو قرآن و حدیث اور واقعات کی روشنی میں اس کی رہبری فرمائیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

(الف) شرعاً دوسرے نکاح کے لیے پہلی عورت کی رضامندی ضروری نہیں ہے؛ البتہ دونوں بیویوں کے درمیان مساوات اور انصاف ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/۱۴۱)

لہٰذا جب آپ نے پہلی بیوی کے سارے حقوق ادا کیے ہیں اور دوسرے نکاح کے بعد بھی حقوق کی ادائیگی کا عزمِ مصمم ہے تو آپ کا یہ اقدام بالکل صحیح اور مبنی بر انصاف ہے۔

(ب) آپ کی طرف سے اتنی ساری وضاحت کے باوجود آپ کی عورت کا دوسرے نکاح کے معاملے میں آڑ اور رکاوٹ بننا غلط اور ناجائز ہے۔

شرعی حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی تو شوہر شریعت کی بتلائی ہوئی مختلف سزائیں اصلاح کی نیت سے آزما کر اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اگر ساری کوششوں کے باوجود اصلاح سے مایوس ہو جائے یا معاملہ ایسا ہے جس کا درست کرنا عورت کے اختیار ہی میں نہیں تو اب اس کو قانونِ شرع یہ حق دیتا ہے کہ خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے طلاق دے کر آزاد کر دے؛ لیکن اگر وہ اس کے تعلق کو اسی حالت میں نبھائے، اپنے حقوق کو نظر انداز اور اس کے حقوق پورے پورے ادا کر دے تو یہ اس کے لیے افضل واعلیٰ اور موجبِ ثوابِ عظیم ہے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۵۶۳)

صورتِ مسئولہ میں آپ کو یہ حق ملنے کے باوجود کہ آپ اس کو اپنے نکاح سے الگ کر کے دوسرا نکاح کریں، وسعتِ ظرفی کے ساتھ اس کو اپنے ہی نکاح میں باقی رکھ کر اس کے سارے حقوق کی ادائیگی کا اعتماد دلاتے ہوئے دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں، پھر بھی وہ آپ کے ساتھ اس طرح الٹا معاملہ کر رہی ہے، یقیناً وہ گنہگار اور قابلِ ملامت ہے، ایسی عورت اپنا دین و دنیا دونوں کو برباد کر رہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۹) میری عورت بغیر اجازت کے لڑکیوں اور آس پاس کے رشتے

داروں کے وہاں اپنی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے جاتی ہے اور میرے مخالفوں کے پاس جا کر میرے خلاف پروپیگنڈے کرتی ہے اور اس پر گرفت کرتا ہوں تو وہ میرے ساتھ جھگڑتی ہے اور میرے دونوں لڑکے، لڑکیاں اور داماد اس کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں، شریعت کی روشنی میں ایسی عورت کو کیا سزا دی جا سکتی ہے؟ تعاون کرنے والوں پر کونسا گناہ عائد ہوتا ہے؟ اور اس پر کیا وعیدیں وارد ہوئی ہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی عورت ایسا کرے تو بطور سزا کے مارنا بھی جائز ہے۔ (درمختار، شامی: ۳/۲۰۶-۲۰۷)

بہشتی زیور میں ہے: اس زمانے کی عورتوں میں یہ بھی عیب ہو رہا ہے کہ شادی ہوتے ہی ذرا ذرا سی بات جھوٹی سچی سسرال والوں کی، ماں باپ سے جا کر بیان کر دیتی ہیں اور والدہ ان کی تمام برادری میں ایک بات کی دس بیان کرتی ہیں، اگر برادری سسرال والوں سے مقابلہ پڑ جاتا ہے تو بیٹی کی طرف ہو کر خوب لڑائی جھگڑے کرتے ہیں، جس کی وجہ سے برادری میں خوب مشہور ہوتا ہے؛ بلکہ چھوٹ چھٹاؤ پر بھی نوبت آجاتی ہے۔ (۸/۸۰)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: وہ شخص ہمارے تابع داروں میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف بہکاوے۔ (ابوداؤد شریف)

اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ رقم طراز ہیں: عورت کو شوہر کے خلاف ابھارنا میاں بیوی کے درمیان جھگڑے فساد کی بنیاد ہے، جس کے نتیجے میں طلاق تک کی بھی نوبت آتی ہے؛ اگرچہ حدیث میں عورت کو خاوند

کے خلاف بہکانے کا خاص طور پر تذکرہ ہے؛ مگر شوہر کو عورت کے خلاف ابھارنے کا بھی یہی حکم ہے؛ اس لیے کہ عورتوں کی طبیعت میں ٹیڑھاپن ہے، جس کی وجہ سے ابھارنے کا اثر جلدی قبول کرلیتی ہے، نیز ان کی طبیعت میں جھگڑے کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے؛ اس لیے کہ ان میں عقل بھی کم ہوتی ہے۔ (بذل المجہود: ۱۰/ ۲۳۹)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ تفسیرِ مظہری کے حوالے سے لکھتے ہیں: میاں بیوی کے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ کوئی تیسرا دخیل نہ ہو، یہ دونوں خود ہی آپس میں کوئی بات طے کرلیں؛ کیوں کہ تیسرے کے دخل سے بعض اوقات تو مصالحت ہی ناممکن ہوجاتی ہے اور ہو بھی جاوے تو طرفین کے عیوب تیسرے آدمی کے سامنے بلا وجہ آتے ہیں جس سے بچنا دونوں کے لیے مصلحت ہے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۵۶۲)

لہٰذا آپ کی بیوی کا آپ کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں اور آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا حرام ہے؛ اس لیے کہ پروپیگنڈہ کا مطلب ہی جھوٹی تہمت کا افشا ہے اور اس کے اس فعل میں اس کے لڑکوں، لڑکیوں اور داماد وغیرہ کی شرکت فعلِ گناہ میں تعاون ہونے کی وجہ سے حرام ہے، درحقیقت یہ لوگ اس طرح تعاون کرکے آپ کی بیوی ہی کی بے عزتی کررہے ہیں اور اپنی عاقبت بھی برباد کررہے ہیں، شروع جواب میں لکھی ہوئی حدیثوں پر ایک بار پھر نظر کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم

سوال: (۱۰) میری عورت اجازت کے بغیر میرے مال میں سے غلہ، گھی جیسی چیزیں میری لڑکیوں کو بھیج دیتی ہے، جب کہ میں نے اس کو اس طرح بھیجنے کی صاف ممانعت کردی ہے اور میری لڑکیوں کو بھی معلوم ہے، تب بھی وہ ان چیزوں کو لے کر استعمال کرلیتی ہیں، کیا ان کے لیے ان چیزوں کا لینا درست ہے؟ اس طرح مال

میں خیانت کرنے والی کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

آپ کی بیوی کا اجازت کے بغیر؛ بلکہ آپ کی طرف سے صاف ممانعت کے باوجود آپ کے مال میں سے غلہ، گھی جیسی چیزیں اپنی لڑکیوں (جن کی شادی ہوچکی ہے اوران کے شوہر پران کے نان ونفقہ کی ذمّے داری ہے) یا کسی اور کو دینا، یا بھیجنا ناجائز اور حرام ہے اور جن کو یہ چیزیں بھیجی جارہی ہیں ان کا اس حقیقت سے واقفیت کے باوجود لینا اور استعمال کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

حرام مال کھانے اور استعمال کرنے پر حدیثِ پاک میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حدیث میں ہے کہ: وہ گوشت (بدن) جس نے حرام مال سے پرورش پائی ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جو گوشت (بدن) حرام مال سے نشوونما پائے وہ دوزخ کی آگ ہی کے لائق ہے۔ (مشکوٰۃ: ٢٤٢) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (١١) جب میں گاؤں جاتا ہوں تو میری سب سے بڑی لڑکی خدمت کرتی ہے، اور میرے چھوٹے بڑے کام کردیتی ہے، فقط اسی وجہ میری بیوی اور اولاد اس کو اور داماد کو پریشان کرتے ہیں اور دھمکی دیتے ہیں، اسی پریشانی کے باعث مجھے اس لڑکی اور داماد کو دوسرے گاؤں میں منتقل کرنا پڑا، نیز دوسری لڑکیوں کی طرح اس کی مدد بھی نہیں کرتی، کیا کسی ماں کو یہ زیب دیتا ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی اور داماد کو گاؤں چھوڑنا پڑے؟ جب کہ وہ وہ دوسری لڑکیوں اور داماد کے ساتھ اچھا معاملہ کرتی ہے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

آپ کی بیوی کا سوال میں ذکر کردہ سلوک ناجائز اور قابلِ افسوس ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۱۲) میرا ایک داماد عالم ہے اور بڑے ادارے میں حدیث کی کتابیں پڑھاتا ہے وہی زیادہ فتنہ بپا کر رہا ہے، میں نے اس کو گھر آنے سے منع کر دیا ہے، پھر بھی میری عدمِ موجودگی میں میرے گھر آ کر کئی دنوں قیام کرتا ہے اور میری اولاد کو میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ:

(الف) کیا کسی عالمِ دین کا اس طرح کرنا جائز ہے؟

(ب) کیا کسی کے تعلق سے غلط باتیں اور فتنے پھیلانا اس کو زیب دیتا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

حدیث میں عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ (بخاری شریف: ۲/ ۷۸۲)

آپ کے منع کرنے کے باوجود عورت کا اس کو گھر میں آنے کی اجازت دینا اور اس کا یہاں آنا جائز نہیں ہے اور عالمِ دین ہونے کے باوجود اس طرح کرنا یہ اور زیادہ سنگین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: (۱۳) میرا داماد حدیث سنا کر میرے لڑکوں کو کہتا ہے کہ: ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے؛ اس لیے ماں ہی کی بات ماننی چاہیے اور باپ کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔

(الف) کیا حدیث کا یہی مطلب ہے؟

(ب) نہیں! تو حدیث کا صحیح مطلب تحریر فرمائیں۔

(ج) اور اس عالم کے متعلق کیا حکم ہے جو حدیث کا غلط مطلب بیان کرے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے سوال میں مذکور حدیث اور اس کا جو مطلب تحریر فرمایا ہے اس کو یہاں درج کرتا ہوں:

حضورﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ: میرے حسنِ سلوک (احسان وسلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ حضورﷺ نے فرمایا کہ: ماں، پھر دوبارہ، سہ بارہ ماں کو ہی بتایا، پھر فرمایا کہ: باپ، پھر دوسرے رشتے دار الاقرب فالاقرب (جو جتنا قریب ہوا اتنا ہی مقدم)

اس حدیث شریف سے بعض علما نے استنباط کیا ہے کہ: حسنِ سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصہ ہے اور باپ کا ایک حصہ؛ اس لیے کہ حضورﷺ نے تین مرتبہ ماں کو بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا۔

اس کی وجہ علما یہ بتاتے ہیں کہ: اولاد کے لیے ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہیں: حمل کی، جننے کی، دودھ پلانے کی۔ اسی وجہ سے فقہا نے اس کی تصریح کی ہے کہ: احسان اور سلوک میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے، اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے دونوں کے ساتھ سلوک نہیں کرسکتا تو ماں کے ساتھ سلوک کرنا مقدم ہے؛ البتہ اعزاز اور ادب وتعظیم میں باپ کا حق ماں پر مقدم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے ماں احسان کی زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ (فضائلِ صدقات: ۱/۲۰۱)

ذکر کردہ تشریح سے معلوم ہو چکا کہ اگر کوئی شخص اپنی غربت اور ناداری کی بنا پر اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ ماں اور باپ دونوں کی اپنے مال کے ذریعہ سے خدمت کر سکے؛ بلکہ ان میں سے کسی ایک ہی کی خدمت کر سکتا ہے تو اس صورت میں اس کو

چاہیے کہ ماں کو والد پر ترجیح دے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ماں ہی کی بات مانے، باپ کی اطاعت نہ کرے، یہ تو والد کی نافرمانی ہے جو حرام ہے؛ بلکہ ذکر کردہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علمائے دیوبند کے سردار اور محدثِ اعظم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: جس طرح تعظیم میں باپ کا حق مقدم ہے اسی طرح بات ماننے میں بھی والد کا درجہ والدہ پر مقدم ہے۔ (الابواب والتراجم:۶/۱۰۷)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: تعظیم اور احترام کے متعلق باتوں میں والد کو مقدم رکھنا چاہیے اور خدمت اور انعام میں والدہ کو والد پر ترجیح دینی چاہیے۔ (۵/۳۶۵)

بات ماننے کا تعلق تعظیم اور احترام ہی سے ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ: فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الابواب والتراجم:۶/۱۰۷)

آپ کے عالم داماد اگر حقیقت میں ذکر کردہ حدیث کا مطلب وہی سمجھتے ہیں جس کا تذکرہ آپ نے سوال میں کیا ہے، جس کا غلط ہونا اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا تو اب ان کو چاہیے کہ وہ اپنی غلطی کی اصلاح کرلیں اور آج تک غلط سمجھا ہوا مطلب آپ کے لڑکوں کو بتلا کر آپ کی اطاعت نہ کرنے پر ابھارتے رہے، اس سے توبہ کرکے ان کو صحیح مطلب سے آگاہ کریں اور آپ کی اطاعت پر ابھاریں اور ان کے اس طرزِ عمل سے آپ کی جو حق تلفی ہوئی اس سے از خود معافی مانگیں اور آپ کے لڑکوں سے بھی منگوائیں اور اگر وہ صحیح مطلب جاننے کے باوجود حدیث کا حوالہ دے کر آپ کے لڑکوں کی غلط رہبری کرتے رہے ہیں تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ’’جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگایا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنا

ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔(بخاری شریف)'' تحت بہت ہی زیادہ خطرناک ہے جس کو وہ خود بھی عالم ہونے کے ناطے اچھی طرح جانتے ہوں گے۔فقط واللہ تعالیٰ أعلم

سوال:(۱۴) میرا برادرِ نسبتی بھی دکان پر آکر لڑکوں کو بھڑکاتا ہے اور میرا نقصان کروانے کے لیے میرے خلاف سازشیں رچتا ہے؛ یہاں تک کہ مار ڈالنے کا بھی مشورہ دیتا ہے، جب کہ بظاہر وہ دین دار لگتا ہے۔

(الف) اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

(ب) اس پر اس طرح کی سازش کی وجہ سے کون سا گناہ عائد ہوگا؟

(ج) یہ شخص بڑا ظالم ہے یا نہیں؟

(د) بے گناہ انسان کو قتل کرنے کی سازش گھڑنے میں کونسا گناہ ہوتا ہے؟ اس کو رہبری ہو ایسی کچھ نصیحتیں بھی لکھیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

(الف) نقصان سے بچنے کے لیے حسبِ طاقت شریعت کی حدود میں رہ کر آپ جو بھی تدبیر اپنانا چاہیں اپنا سکتے ہیں۔

(ب) ایسے شخص کے لیے حدیث میں لعنت آئی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جو شخص کسی مؤمن کو نقصان پہنچائے یا پھر اس کے ساتھ کوئی مکر اختیار کرے اس پر لعنت ہے۔(مشکوۃ شریف)

(ج) اس کا ظالم ہونا ظاہر ہے۔

(د) بے گناہ مؤمن کے قتل کی سازش رچنا بہت ہی زیادہ سنگین جرم ہے، مؤمن کے قتل کے متعلق حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

وہ خطرناک نقصان جس میں اپنے آپ کو ڈال کر پھر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اس میں سے ناحق کسی کا قتل کرنا بھی ہے۔ (بخاری شریف: ۲/ ۱۰۱۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

شادی شدہ عورت پہلے شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

سوال: ایک عورت نے ایک مرد کے ساتھ نکاح کرلیا ہے اور تین سال کی لڑکی بھی ہے؛ مگر شوہر ابھی بیرونِ ملک گیا ہوا ہے، یہاں وہ عورت اپنی چھوٹی لڑکی کے ساتھ رہتی ہے، پڑوس کے مکان کے ایک لڑکے کے ساتھ اس قدر محبت ہوگئی کہ شوہر کو بے خبر رکھتے ہوئے دونوں نے نکاح بھی پڑھ لیا ہے، تو کیا یہ نکاح درست ہے؟ اور اگر اس طرح نکاح درست نہ ہو تو اس کا کیا راستہ؟ پہلے شوہر کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

جو عورت پہلے سے کسی کے نکاح میں ہو وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، اگر کرے گی تو وہ نکاح باطل کہلائے گا۔ قرآنِ پاک کے پانچویں پارے کی پہلی آیت میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

اس عورت کو چاہیے کہ سابق شوہر سے طلاق لے کر اس کے ساتھ ہونے والے نکاح کو ختم کرے اور عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کرے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/ ۱۲۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

❁❁❁

متفرقات

ضبطِ تولید کا حکم

سوال: مہنگائی اور آپسی منازعت اور کثرتِ اولاد کی صورت میں ان کی ضروریات (تعلیم وسکونت) وغیرہ کی کمی، نیز قیامت کی نشانیوں میں سے اولاد کا والدین کے غصے کا سبب بننا وغیرہ وجوہات کی بنا پر دو بچے کے بعد آپریشن کروا دینا جائز ہے نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

مہنگائی کی وجہ سے بچوں کی ضرورت کیسے پوری کرسکیں گے؟ اس ڈر سے آپریشن کروانا ہر حال میں حرام ہے؛ البتہ اگر ایسی نیت نہ ہو؛ بلکہ عورت کی تندرستی کی وجہ سے ہو تو کنڈوم یا پھر دواؤں کا استعمال درست ہے، بچہ دانی نکلوا دینا یا آپریشن کروا کے ہمیشہ کے لیے اس کو بے کار بنا دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نرودھ (کنڈوم) کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا عورت کے ساتھ ہم بستری میں نرودھ کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نرودھ کا استعمال جائز نہ ہو تو حمل روکنے کے لیے حیض کے بعد کتنے دن تک رکنا چاہیے، نرودھ کے علاوہ کاپرٹی، آنکڈی، شوہر کی نس بندی ان جیسی سرکاری اسکیموں کو استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

مدتِ رضاعت میں استقرارِ حمل کی وجہ سے دودھ پیتے بچے کو نقصان پہنچنے کا

خطرہ ہو، یا حمل کی وجہ سے عورت کی جان کا خطرہ ہو تو وقتی طور پر کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے حمل نہ ٹھہرے (جیسے نرودھ کا استعمال کرنا) جائز ہے۔

کاپرٹی، اسی طرح آکنڈی رکھوانے میں غیر مرد ڈاکٹر یا عورت ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولنا پڑتا ہے؛ بایں وجہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اسی طرح کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حمل نہ رہے، یا پھر مرد کا نس بندی کروانا جائز نہیں ہے؛ البتہ جن ایام میں حمل رہنے کا زیادہ امکان ہو (یعنی حیض سے پاکی کے فوراً بعد) اس میں صحبت کرنے سے بچنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ (موجودہ زمانے کے مسائل کا شرعی حل) (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/۵۴۸) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

اولاد حاصل کرنے کے لیے شوہر کی منی رحم دانی میں رکھنا کیسا ہے؟

سوال: میری شادی کے دس سال ہو چکے ہیں اور ابھی تک مجھ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی اور دوائیں بھی بہت کروائیں اور ڈاکٹر کی تشخیص کے مطابق ہم دونوں میاں بیوی میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے، ہم دونوں ازدواجی زندگی کے اعتبار سے صحیح سالم ہیں، ہم حمل کے لیے مسلسل سات سال سے دوائیں کر رہے ہیں، اب ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ: میری (شوہر کی) منی لے کر بذریعۂ انجکشن رحم دانی میں رکھی جائے تو امید ہے کہ حمل رہ جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

عورت کی شرم گاہ یا رحم میں کوئی ایسا مرض ہو جو جسمانی تکلیف واذیت کا باعث ہو تو اس کا علاج طبیبہ سے کروانا جائز ہے، مرد طبیب سے جائز نہیں؛ البتہ اگر مرض

مہلک یا نا قابلِ برداشت ہو اور طبیبہ میسر نہ ہو تو مرد طبیب سے علاج کروانا جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں کسی ایسے مرض کا علاج نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے کسی جسمانی تکلیف میں ابتلا ہو، یہ دفعِ مضرتِ بدنیہ نہیں؛ بلکہ جلبِ منفعت ہے؛ اس لیے یہ عمل لیڈی ڈاکٹر سے کروانا بھی جائز نہیں۔

مرد ڈاکٹر سے کروانا انتہائی بے دینی کے علاوہ ایسی بے غیرتی و بے شرمی بھی ہے جس کے تصور سے بھی انسانیت کوسوں دور بھاگتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے جو اولاد حاصل کی گئی وہ وبال ہی بنے گی۔(احسن الفتاویٰ:۸/۲۱۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

لڑکی کے عوض پیسہ لینا

سوال: اپنی لڑکی کو دوسرے کے وہاں پیسے سے دینا، باقاعدہ باپ اپنی بیٹی کو دس ہزار یا بیس ہزار قیمت طے کر کے دیتا ہے، یہ ایک طرح کا سودا ہوا کہ اپنی بیٹی کو بیچ کر کھاتا ہے۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

یہ جائز نہیں ہے۔(محمود الفتاویٰ اردو: ۴/۱۱۹، شامی: ۷/۱۵) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

بیوی کا دودھ پی لیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی کا دودھ پیا، کیا اس کا نکاح باقی رہے گا؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

مدتِ رضاعت؛ یعنی دو سال کی عمر کے اندر اندر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے، تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، صورتِ مسئولہ میں جب وہ شادی شدہ مرد

مدتِ رضاعت؛ یعنی دوسال کی عمر سے تجاوز کر چکا ہے تو اب اپنی بیوی کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی؛ اس لیے نکاح باقی رہے گا۔ درِمختار میں ہے:

مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. (درِمختار علیٰ ھامش الشامی: ۴۴۹/۲)

البتہ اس کا اس طرح اپنی بیوی کے دودھ کو پینا جائز نہیں ہے۔ (محمود الفتاویٰ اردو: ۷۵۳/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نام رکھنے سے متعلق خصوصی احکام

سوال: میں نے میری لڑکی جو ابھی سوا سال کی ہے جس کا نام سَمیرہ رکھا ہے، کراچی میں ہمارے ایک متعلق کے وہاں بھی ایک لڑکی کا نام سَمیرہ رکھا گیا تھا، کچھ وقت کے بعد وہاں سے خط آیا کہ سمیرہ کا مطلب اچھا نہیں نکلتا اور اسلامی طریقے کے اعتبار سے درست نہیں ہے، مجھ کو بھی یہاں انڈیا میں اس بات کی تحقیق کرنے کا مشورہ دیا ہے؛ لہٰذا آپ بتلائیں کہ: سمیرہ نام رکھنا کیسا ہے؟ اسلام کے اعتبار سے اس کا مطلب خراب تو نہیں؟ سمیرہ کا معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ آپ میری رہبری فرمائیں، اگر بدلنے کا ہو تو ہمارے پاس وقت ہے۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما!

قدیم زمانے سے چلا ہوا انسانی دستور یہ ہے کہ جب بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو اس کے والدین اس کے لیے ایک نام تجویز کرتے ہیں، جس سے اس کو پہچانا جائے اور دوسروں سے ممتاز ہو جائے، اسلام ایک مکمل مذہب ہے، بایں وجہ اس سلسلے میں بھی خاص خاص احکام بتلائے ہیں، جس سے اس کا اہتمام معلوم ہوتا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: نومولود بچہ عقیقے سے بندھا ہوا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جاوے اور اسی وقت اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈا جائے۔ (حدیث)

اِس سے معلوم ہوا کہ نومولود بچے کا نام ساتویں دن رکھا جائے۔

بعض دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دن بچے کی پیدائش ہوئی ہو اس دن بھی نام رکھا جاسکتا ہے۔ علما لکھتے ہیں کہ: اگر عقیقہ کرنے کا ارادہ ہو تو ساتویں دن عقیقہ کر کے نام رکھے؛ ورنہ پھر پہلے ہی دن رکھ لے، ہاں! اس سلسلے میں کچھ آگے پیچھے کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔

② حضور ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آبا کے نام سے پکارے جاؤ گے؛ لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ (حدیث)

اِس سے معلوم ہوا کہ والدین کو چاہیے کہ اچھا نام رکھیں اور خراب نام رکھنے سے اجتناب کریں، آپ ﷺ کے سامنے جب کوئی خراب نام آتا تو اس کو بدل دیتے تھے۔

③ جو نام اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے لیے خاص ہے وہ بھی نہ رکھے۔

④ ایسے نام جو غیر مسلموں میں رکھے جاتے ہیں اس سے بھی بچنا چاہیے؛ تاکہ ناموں کے تعلق سے بھی مسلمانوں کی ایک شناخت باقی رہے، دوسری قوموں کے نام رکھنے سے مسلمانوں کی مذہبی شناخت مجروح ہوتی ہے اور نتیجتاً مسلم قوم کا دوسری قوموں کے ساتھ مخلوط ہو کر وجود بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ (تربیت الاولاد في الاسلام: ۱/۷۶-۸۶)

اسی وجہ سے نبیٔ اکرم ﷺ نے انبیا کے نام رکھنے پر ابھارا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

تاکہ اس طرح ان بزرگوں کی یاد محفوظ رہے اور اس طرح ہر جگہ امتِ محمدیہ کے افراد

زندگی بسر کرنے میں دوسری قوموں سے نمایاں نظر آویں۔

آپ نے اپنی لڑکی کا نام سمیرہ رکھا ہے، عربی زبان میں اس کا ترجمہ: ’’باتیں کرنے والی‘‘ ہوتا ہے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر لوگ باتیں کرتے تھے، اس کو عربی زبان میں ’’سمر‘‘ کہتے ہیں، اسی سے یہ لفظ بنا ہے، اس ترجمہ کو دیکھتے ہوئے یہ نام خراب معلوم نہیں ہوتا؛ البتہ صحابیہ عورتوں میں اس طرح کا نام معلوم نہیں، ہاں! سُمیرہ نام ایک مہاجر صحابیہ کا تھا؛ لہٰذا آپ اپنی لڑکی کا نام بھی سَمیرہ کے بجائے سُمیرہ کردیں تو مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

سوال: میرے بھانجے کا نام میں نے محمد اعلیٰ رکھا ہے تو شرعی اعتبار سے یہ نام رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

بچے کا اچھا نام رکھنا بھی بچے کا ایک حق ہے؛ لہٰذا اس کا اچھا نام رکھنا چاہیے، نام کا بھی اثر پڑتا ہے، معارف الحدیث میں سے چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

① حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔

② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے؛ اس لیے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے۔

③ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آبا کے نام کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی

اس طرح پکارا جائے گا: فلاں ابنِ فلاں!) لہٰذا تم اچھا نام رکھا کرو۔

④ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تمھارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام ''عبد اللہ'' اور ''عبدالرحمٰن'' ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: پیغمبروں کے نام پر نام رکھو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحب زادے کا نام ابراہیم رکھا تھا اور اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔

اِن احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بچوں کے نام اچھے رکھنے چاہییے؛ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ، جیسے: عبد اللہ، عبد القادر، عبد القدوس وغیرہ، یا انبیا علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ، جیسے: ابراہیم، عیسیٰ، اسماعیل وغیرہ، یا صحابہ کے ناموں کے ساتھ، جیسے: ابوبکر، عمر وغیرہ۔

آج کل ناموں کے سلسلے میں بہت کاہلی اور افراط وتفریط سے کام لیا جاتا ہے، بعض جگہ تو نام رکھنے میں بالکل خیال نہیں کیا جاتا کہ اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا جاتا؛ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر نام کسی عالمِ دین سے مشورہ کرنے کے بعد ہی رکھنا چاہیے۔ (ہدیۂ خواتین: ۱۳۲-۱۳۳)

آپ نے اپنے بھانجے کا نام دو حصوں میں رکھا ہے، پہلے حصے میں ''محمد'' تو بالکل درست اور قابلِ مبارک ہے، دوسرے حصے میں ''اعلیٰ'' رکھا ہے جس کا کوئی مناسب معنیٰ نہیں ہوتا؛ لہٰذا ''اعلیٰ'' کو ''علی'' کر دیں۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۲/۴۶۶-۴۷۰) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

ویل ویٹ کے کپڑے پہننا جائز ہے؟

سوال: عورتوں کے لیے ویل ویٹ کے کپڑے پہننا جائز ہے کہ نہیں؟ ان کپڑوں کی فیشن ابھی مارکیٹ میں چل رہی ہے، یہ کپڑا ریشم جیسا ہوتا ہے، ہمارے وہاں بعض حضرات عورتوں کے لیے ان کپڑوں کے پہننے کی ممانعت بتلاتے ہیں۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما!

ویل ویٹ کے کپڑے پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے؛ البتہ ضروری ہے کہ وہ اس طرح سلائے جائیں کہ بدن کا کوئی حصہ نہ دکھے اور اتنے تنگ بھی نہ ہوں جس سے بدن کا ابھار یا اعضا کی ساخت نظر آئے۔ (محمود الفتاویٰ گجراتی: ۵۷۲/۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

.

ضروری بات

آج جب فلم، میڈیا اور تعلیمی نصاب کے ذریعہ جنسیات کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس میں بہت سے غیر اسلامی طریقے ہیں تو ایسے وقت میں شریعت کی پاکیزہ روشنی میں ہم بستری سے لطف اندوز ہونے کا صحیح طریقہ سیکھنا انتہائی ضروری ہے، ہر ولی اس بات کی فکر کرے کہ اس کے بیٹے، بیٹی کو اس لائن کی رہنمائی ملے۔

مفتی محمود صاحب بارڈولی